لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (سورۃ الفتح)
بیعت
اہمیت۔ ضرورت۔ تقاضے
تالیف
پیرزادہ محمد توصیف النبی مجددی
ناشر
بہار اسلام پبلی کیشنز لاہور

بیعت

اہمیت۔ ضرورت۔ تقاضے

تالیف

پیرزادہ محمد توصیف النبی مجددی

ناشر

جہانِ اسلام پبلیکیشنز لاہور

نام کتاب.......................بیعت: اہمیت، ضرورت، تقاضے

مؤلف.......................پیرزادہ محمد توصیف النبی مجددی

زیر اہتمام.......................ابوالرضا محمد عباس مجددی سرپرست اعلیٰ ABI

کمپوزنگ.......................محمد شہزاد (رکن ماہنامہ بہار اسلام)

ناشر.......................بہار اسلام پبلی کیشنز گجر پورہ سکیم لاہور

سال اشاعت (بار اول)......رجب المرجب 1432ھ (جون 2011ء)

تعداد.......................1100

قیمت.......................200روپے

ملنے کے پتے

مرکز بہار اسلام 1910 ڈی ون بلاک گجر پورہ سکیم شیر شاہ روڈ لاہور

آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ: محمد احمد سٹریٹ (گیان سٹریٹ) گوالمنڈی لاہور

علامہ فضل حق پبلی کیشنز دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور

نوالقمر کارپوریشن: دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور

مکتبہ نبویہ: دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور

☆☆☆☆☆☆

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆

☆......عرض احوال......☆

فرمانِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے "مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَّاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً" جو آدمی اس حالت میں موت کو گلے لگائے کہ اس کی گردن میں بیعت کا ڈورا نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

دین اسلام تمام امورِ دینیہ و دنیویہ کی اصلاح کا ذمہ دار ہے جس کیلئے ہر قسم کے قواعد و ضوابط کا مفصل بیان، اسلام کے آفاقی نصاب قرآن مجید میں موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو انسانیت کا درس دینے کیلئے تشریف لائے اور خدا کو گواہ بنا کر اپنے مقصد اعظم میں سرخرو ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی و رسول ہیں، آپ علیہ السلام کی ذات گرامی کے بعد کوئی بھی شخص کسی صورت بھی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔

جس طرح پروفیسر حضرات تعلیمی نزاکتوں اور طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر نصابِ تعلیم کو ترتیب دیتے ہیں اور پھر فائنل کرنے کیلئے "بڑے صاحب" کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ جو کمی کوتاہی رہ گئی ہو اس کو پورا کیا جا سکے اور جب ضروری ترمیم کے بعد چیئرمین صاحب مہر تصدیق ثبت کر دیں تو یہ نصاب طلباء کو پڑھانے اور سمجھانے کیلئے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔

ابتدائے دنیا سے لیکر انبیاء کرام تشریف لاتے رہے اور نصابِ اخلاقیات کو ترتیب دیا جاتا رہا اور بالآخر سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں کنفرمیشن کیلئے پیش کیا گیا آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کا مقصد انسانیت کے نصابِ اخلاق کی تکمیل تھی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ" میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اس نصاب کو مکمل فرمایا اور تعلیم کیلئے امت کے اساتذہ کرام جو کہ اس امت کے اولیاء کرام ہیں، کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے نصاب کے مطابق امت کی صحیح سمت میں راہنمائی فرمائیں۔

اس اخلاقی سبق کی تکمیل کیلئے جس سکول میں ایڈمیشن لیا جاتا ہے اس کو "خانقاہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور داخلہ کے طریقہ کار کو "بیعت" کا نام دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کیلئے اس اصلاحی سکول میں داخلہ لینا لازم وضروری ہے کیونکہ صرف کتابیں پڑھ لینے سے پیپر دیکر پاس تو ہوا جاسکتا ہے مگر "علم" حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ علم حاصل کرنے کیلئے کسی ماہر استاذ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے، جس کیلئے "بیعت" نامی داخلہ فارم کو پُر کرنے کی اشد حاجت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً" جو آدمی اس حالت میں موت کو گلے لگائے کہ اس کی گردن میں بیعت کا ڈورا نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

میرے قدیم دوستوں میں سرفہرست مولانا پیرزادہ محمد توصیف النبی مجددی صاحب نے بیعت کے متعلق مفید معلومات، اساتذۂ فن کی طرف صحیح راہنمائی اور نصابِ تعلیم کی مکمل معرفت کو یکجا کر کے عام آدمی کیلئے سکول (خانقاہ) جانے کا راستہ صاف کیا ہے۔

کچھ مصنف کے بارے میں:

موصوف کا تعلق ایک علمی و روحانی گھرانے سے ہے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا پیر محمد احمد غفاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر تعلیم تصوف بھی تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف تصوف کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ تصوف کے معلمین پیدا کئے۔ آپ کے دادا جان کی طرح آپ کے والد گرامی محترم المقام جناب محمد منظور احمد مجددی نقشبندی صاحب بھی علم دوست شخصیت ہیں، جس کا اندازہ آئے دن ہونے والی ملاقاتوں میں ہوتا رہتا ہے ۔آپ صرف نام کے منظور احمد نہیں بلکہ حقیقتاً "منظورِ احمد" (ﷺ) ہیں۔ مولانا محمد احمد غفاری مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی توجہات کی برکت آج بھی انکے خاندان میں "توصیف النبی" کی صورت میں موجود ہے۔

پیرزادہ توصیف النبی مجددی 5 نومبر 1980ء میں پیدا ہوئے۔ لاہور کے بڑے بڑے علمی اداروں سے تعلیم حاصل کی، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے

گریجویشن کی، اور وہیں سے تصوف میں ڈپلومہ کیا۔ بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی

اسلام آباد سے اصول فقہ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔

آپ اپنے دادا کی روحانی وراثت کے امین ہیں۔آپ کے والد محترم بقید حیات ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو صحت وتندرستی اور درازیٔ عمر عطا فرمائے۔) مگر انہوں نے اپنے ہونہار بیٹے کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے خانقاہی نظام کے علاوہ دیگر اہم ذمہ داریوں کا بوجھ بھی انہیں کے کندھوں پر ڈال رکھا ہے، اور اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نباہ رہے ہیں

پیرزادہ توصیف النبی مجددی قد کاٹھ کے لحاظ سے کافی بلند واقع ہوئے ہیں مگر ان کی زیر نظر تالیف کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا قد صوفیانہ تعلیمات میں بھی قصیر نہیں ہے۔

موصوف نے اس کتاب کی تالیف میں اچھی خاصی محنت سے کام لیا ہے۔ جس کا صحیح معنوں میں ادراک تبھی ہو پاتا ہے جب قاری اس کتاب کی آخری سطر پڑھ رہا ہوتا ہے۔

بہارِ اسلام پبلی کیشنز کی خوش نصیبی ہے کہ اس اہم کتاب کی اشاعت کی سعادت میسر آئی۔ بہارِ اسلام پبلی کیشنز کی اراکین نے اس کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے میں ازبس کوشش کی ہے۔ یہ اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب

ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ بہر حال انسان خطا کا بندہ ہے بتقاضائے بشریت اگر اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی یا کمی رہ گئی

ہوتو قارئین کرام سے التماس ہے کہ ادارہ کو مطلع فرمائیں تا کہ اس کمی کو دور کیا سکے۔

اللہ تعالٰی سے التجاء ہے کہ مؤلفِ کتاب، ناشرین اور معاونین کو حوصلہ مزید عطا فرمائے اور ادارہ بہار اسلام کی خدمات کو قبول فرماتے ہوئے مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

طالبِ دعا: ابوالرضا محمد عباس مجددی

بانی وسرپرست

انجمن بہار اسلام لاہور

بہارِ اسلام پبلی کیشنز

بہارِ اسلام ویلفئیر سوسائٹی

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو خصوصاً اپنے داداجان

پیر طریقت رہبر شریعت منبع فیوض و برکات مرکز انوار و تجلیات

حضرت مولانا پیر محمد احمد غفاری نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

اور

☆......اپنے والدین

☆......اپنے مشائخ طریقت

☆......اپنے پیر بھائیوں

کے نام کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

الطالب لعفو ربہ

محمد توصیف النبی مجددی

تقریظ......☆

پیکر شفقت و محبت پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک صاحب

چیئرمین شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور

بخاری و مسلم میں وارد حدیث جبرئیل علیہ السلام میں حقیقت اسلام و ایمان کے بعد احسان کا ذکر ہے۔ جس کی وضاحت خود رسالتمآب ﷺ نے یوں فرمائی "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" یعنی احسان و اخلاص یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

اس فرمان صداقت نشان سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال ظاہری و عقائد کے علاوہ ایک درجۂ کمال بھی ہے جسے احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی احسان اصلِ تصوف اور اثباتِ ولایت کی قوی دلیل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" میں اس حدیث مبارک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بدانکہ مبنائے دین و کمالِ آں بر فقہ و کلام و تصوف است واین حدیث شریف بیانِ ایں ہر سہ مقام کردہ"

جان لو کہ دین اور اس کے کمال کی بنیاد فقہ و کلام و تصوف ہے، اور اس حدیث شریف میں ان تینوں مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

فقہ و کلام و تصوف ایک دوسرے کیلئے لازم ہیں۔ ان میں سے کوئی

دوسرے کے بغیر درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ فقہ کے بغیر تصوف کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ احکام الہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ اور تصوف کے بغیر فقہ مکمل نہیں کیونکہ عمل بغیر صدق وخلوص کے کامل نہیں ہوتا۔ اور فقہ وتصوف دونوں ایمان کے بغیر صحیح نہیں ہوتے، جس طرح کہ جسم وروح ایک دوسرے کے بغیر وجود نہیں رکھتے ۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ ، وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ"

جو شخص صوفی بنا اور فقیہ نہ ہوا، وہ زندیق ہو گیا اور جو فقیہ بنا اور صوفی نہ ہوا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا پس اس نے حقیقت پالی۔

بعض حقیقت ناشناسا لوگ خیال کرتے ہیں کہ بیعت قبولِ خلافت میں منحصر ہے اور بیعت صوفیہ کرام بے اصل ہے۔ مگر ان کا یہ خیال مبنی بر حقیقت نہیں۔ بیعت صوفیہ کرام قرآن مجید اور متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان طرازی کریں گی اور نہ کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ پس آپ ان کی بیعت قبول کر لیں، اللہ کریم سے ان کیلئے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

مشکوٰۃ شریف، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، میں حضرت ابو جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں "کتاب الامارۃ والقضاء" میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی، آسانی اور دشواری، غمی اور خوشی میں اطاعت و فرمانبرداری پر اور اس امر پر کہ ہم امیر سے نہ جھگڑیں گے اور اس بات پر کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ" (اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی نا مرضیات سے

پرہیز کرد، کمال پرہیزگاری) سے استدلال کرتے ہوئے طریقت کی طلب اور کمالات باطنی کے حصول کی کوشش کو واجب قرار دیا ہے۔ فعل امر وجوب کیلئے آتا ہے اور کمال تقویٰ بغیر ولایت کے متصور نہیں۔ جب طریقت کی طلب واجب ٹھہری تو پیر کامل کی تلاش بھی واجب ٹھہری۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر
دامن آں نفس کش محکم گیر

بعض کم فہم لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند ہونا تزکیہ نفس کیلئے کافی ہے اور کسی شیخ کامل کی بیعت میں آنا ضروری نہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ جب تک ہم اصلاح و تقویٰ کے لئے اپنے لئے کامل عملی نمونہ نہ پائیں، افراط و تفریط کا اندیشہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ بے شک قرآن و سنت کی پابندی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کرسکتا ہے اور جس کسی نے آج تک جو بھی ترقی کی وہ انہیں کی پابندی کے ذریعے کی۔ مگر اخلاص، زہد و تقویٰ، ورع، توکل، صبر، رضا، تسلیم و قناعت جیسے مقامات عالیہ نہ تو محض تفسیر و حدیث پڑھ لینے سے حاصل ہوتے ہیں اور نہ رسمی طور پر شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی سے غصہ، حسد، غرور، تکبر، عجب، ریا، حرص، شہوت، بخل، نخوت، کینہ، عناد اور طلب جاہ جیسے رذائل نفسانی اور مہلک

امراضِ قلب دور ہوتے ہیں۔ کتاب و سنت سے زہد و تقویٰ کا علم حاصل کرنا کچھ اور چیز ہے اور اس کو کسی مرد درویش و عارف کامل کی عملی حالت سے اخذ کرنا اور چیز ہے

۔پہلی صورت صرف قال وقال ہے جبکہ دوسری صورت میں قال وحال دونوں ہیں
۔یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت کا عالم شریعت کے تمام اوامر ونواہی کا علم رکھنے کے
باوجود رذائل نفسانی اور امراضِ روحانی سے پاک نظر نہیں آتا جبکہ اس کے برعکس
بعض ایسے کم علم لوگ کسی عارفِ کامل کی صحبت سے مندرجہ بالا رذائل وامراضِ
نفسانی سے محفوظ وصحت مند نظر آتے ہیں۔

تعجب ہے کہ جسمانی امراض کیلئے تو لوگ اطباء اور ڈاکٹروں کے پاس
دوڑے جاتے ہیں اور لاکھوں روپے خرچ کردیتے ہیں، مگر رذائل نفسانیہ اور مراضِ
روحانیہ کیلئے کسی عارفِ کامل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔جس طرح طب کی
کتابوں سے ہر شخص مستفید نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی ماہر استاد سے تجربہ حاصل نہ
کرے اسی طرح کتاب وسنت کے علمی اور عملی کمال کیلئے اساتذۂ فن اور مشائخ
کاملین کی ضرورت ہوتی ہے۔

تانیفتد بر تو مردے رانظر
از وجودِ خویش کے یابی خبر

زیرِ نظر کتاب مستطاب عزم محترم علامہ توصیف النبی کی علمی وتحقیقی کاوش
ہے جس میں انہوں نے بیعتِ صوفیہ کرام کو موضوع بنایا ہے۔موضوع کتاب نہ
صرف اہم ومنفرد ہے بلکہ وقت کی ضرورت بھی ہے۔فاضل مؤلف نے اس
موضوع پر حتی الوسع معلومات جمع کی ہیں اور انہیں انتہائی عام فہم انداز میں ان

قارئین کرام کیلئے خصوصی طور پر قلمبند کیا ہے جو فن تصوف کی دقیق اصطلاحات کا فہم نہیں رکھتے۔ انہوں نے قرآن وحدیث اور مستند کتب سے استفادہ کرتے ہوئے بیعت پر تحقیق پیش کی ہے۔ نیز اقوالِ مشائخ کی روشنی میں شیخ کی ضرورت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مقاصد وفوائدِ بیعت کو واضح کیا ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ دور میں پیری مریدی کی حالت زار کا جائزہ لیتے ہوئے شیخ کے اوصاف، مرید کے اوصاف، شیخ کے حقوق، مرید کے حقوق، طالب وسالک کی اقسام، مرید ہونے کیلئے شرائط اور تصورِ شیخ وخدمت شیخ جیسے اہم ودقیق موضوعات پر اہل ذوق کیلئے تحقیقی انداز میں معلومات فراہم کی ہیں۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے تمام معلومات کو مستند حوالوں سے مزین کیا ہے۔ اور کتاب کے آخر پر مصادر ومراجع کی طویل فہرست بھی لف کی ہے۔ یہ وہ خالص علمی منہج واسلوب ہے جو آج کل علمی دنیا میں متداول ومتعارف ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب مستطاب کو فاضل مؤلف کے میزانِ حسنات میں بجاہِ سید المرسلین ﷺ درج فرمائے اور قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک

صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی

حروفِ چند......☆

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد قمر علی زیدی صاحب

پروفیسر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی

زندگی ایک قوت اور سرمایہ ہے۔قوت اور سرمائے کی افزائش کیلئے نظم و نسق درکار ہے ورنہ منفی قوتوں کی شکار قوت اور سرمایہ بکھر جاتے ہیں۔

زندگی کو باقرینہ کرنے کیلئے علم الاخلاق کی روشنی ہمیشہ ہی سے معاون رہی ہے۔علم الاخلاق چاہے ارضی ساکن انسان کی منظم کاوشوں کا نتیجہ نہ ہو یا پھر وحی کے انداز میں آسمانی ہدایت کا سلسلہ ہو۔ بہر حال ایسے ہیں کہ انسان کے نفس کی کارگزاری کو درست اور منظم رکھنے کیلئے علم الاخلاق اور ایسے علم الاخلاق کی حاجت برقرار رہتی ہے جس میں روح اور نفس کا گہرا اور مستحکم رشتہ فلاح و صلاح کی خاطر قائم رہے اور یہ رشتہ اسی وقت مستحکم اور دیرپا ہوتا ہے جب خالق کائنات کا نور معاون ہو اور یہی نور اصلی معاون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ''نور السموات والارض'' ہے اور اس نور کی تقسیم، ہادیانِ عالم یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے قائم کردہ راستوں سے نصیب ہوتی ہے۔

گذشتہ سطور میں خیالات کا اظہار، واہمہ یا قیاس ہرگز نہیں ہے بلکہ مجرب

زندگیوں کا حاصل، الفاظ کی شکل میں بیان ہوا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات بہت زود اثر اور سہل العمل ہوتی ہیں اسلئے کہ انہیں دلوں تک اترنے کی

قوت بارگاہِ احدیت سے نصیب ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام دلوں کو نورِ خداوندی سے روشن کرتے ہیں اور بگڑی ہوئی کائنات دل کو نہایت نرم اور پاکیزہ بناتے ہیں اور دراصل نبوت کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ دلوں کو تعلق خدا سے معمور کریں۔

حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کو دلوں کا مزکی کرنے والا بنایا اب رہتی دنیا تک تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کا سلسلہ بارگاہِ نبوت سے ہی وابستہ رہے گا۔

یہ سلسلہ اصلاحِ نفس اور روشنی قلب کائنات ایمان کا اہم ترین سلسلہ ہے اس اصلاح کے بغیر مومن، مومن کامل نہیں ہوتا اور اس کی ظاہری حیات اعلیٰ و بلند اخلاقیات سے عاری ہوتی ہے۔ روح کی پاکیزگی اور اخلاق معاشرہ کو وجودِ انسانی کا زیور بنانے کیلئے اسی تزکیۂ نفس کے راستے کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

تزکیۂ نفس کس انداز سے کامیابی کے مراحل طے کرتا ہے؟ اسے منزل مقصود کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اور بندگی کی حقیقی لذتیں کیسے نصیب ہوتی ہیں؟ ان سب سوالوں کے جواب مسلمانوں میں رائج اس باطنی نظامِ تربیت میں نظر آتا ہے جسے ہم راہِ سلوک کا نام دیتے ہیں۔

راہِ سلوک اصل میں زندگی کا وہ خوبصورت قرینہ ہے جہاں انسان میں بے نفسی اور انسان دوستی کا جہاں نظر آتا ہے۔ خدا کی محبت میں مخلوقِ خدا کی محبت جنم لیتی ہے اور انسان، انسان کا ہمدرد بن جاتا ہے۔ اسلامی روحانیت دراصل انسانی

جوہر کی حقیقی تلاش کا ایک نصاب ہے۔ اس نصاب کی ابتداء کیلئے ایک عہدِ واثق ضروری ہے تاکہ اگر ہمتیں پست پڑ جائیں تو یہ عہدِ واثق تازہ دم رکھے اور قربِ منزل کا مژدہ سناتا رہے۔ اس نصابِ سلوک کیلئے ایک ماہر، تجربہ کار اور بلند مقبول بارگاہوں کا مقبول و مؤید فرد فرزانہ استاذ بھی درکار ہوتا ہے جس کی بصیرتی روشنی تجربہ گاہِ حیات میں بااعتماد ہو۔ جو چھلکتی گگریا کو بھی آسانی سے منزلِ فلاح تک پہنچا دے۔ یہ عہدِ واثق اصطلاحِ اہلِ ایمان وروحانیت میں بیعت اور استادِ فرزانہ مرشد کہلاتا ہے۔ یہ عہدِ واثق اور استادِ فرزانہ تلاطم خیزیٔ نفس اور جارحیتِ شیطان سے پناہ کی تلوار اور ڈھال ہے۔ راہِ سلوک میں یہ دو قوتیں اعمال و یقین کا وہ سرمایہ نور فراہم کرتی ہیں جس سے وجودِ ایمان کو استحکام اور یقین کو حقیقت کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

اس کہانی کے کردار کیا ہیں؟ افکار کا جمال کیا ہے؟ تسلسلِ عمل سے کمال کتنا نصیب ہوتا ہے؟ اور پھر عشق کی کارفرمائیاں کب زیرِ مشاہدہ آتی ہیں اور انسان میں جوہرِ محبت کے باطنی وظاہری اثرات کب نمایاں ہونے لگتے ہیں؟ ان سب سوالوں کے مثبت اور درست ترین جوابات کے عملی حصول کیلئے صوفیاء نے بیعت و مرشد کو نصابِ حیات کا سبق اولین قرار دیا ہے۔

بیعت تربیت باطنی کیلئے ایک مضبوط رشتہ اور ایک مستقل راستہ ہے جسکا دوسرا نعم البدل میسر نہیں۔ اس لئے صوفیاء کرام نے اسے لازمی قرار دیا ہے۔ بیعت

کے تقاضے اور فوائد محض الفاظ کی جحت سے سمجھ میں نہیں آتے جب تک عملاً اس کیلئے اقدام نہ کیا جائے۔

پیش نظر مقالہ میں جناب توصیف النبی مجددی صاحب نے بیعت کے علمی و عملی پہلوؤں کو سادہ سطح دلالت پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر کتب تصوف میں علمی مواد موجود ہے لیکن ان کتب میں اختصار اور بلند سطح ذہنی کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور عامۃ الناس کے مشکوک ذہنوں کیلئے کچھ آسانی میسر نہیں۔

مؤلف نے بیعت کی بنیادی حقیقت پر اپنی معروضات کی دیوار بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب معظم ﷺ کی برکت سے ہماری نیت اور اعمال کو قبول فرمائے اور صالحین کی برکتوں سے نوازے۔ آمین

(پروفیسر ڈاکٹر) سید محمد قمر علی زیدی

پروفیسر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور

تقریظ......☆

سیف البراہین نوجوان محقق حضرت علامہ مولانا محمد عرفان طریقتی القادری

مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ بہارِ اسلام لاہور

''تصوف روحِ اسلام ہے۔'' یہ جملہ اکثر و بیشتر سننے کو ملتا ہے، مگر اس کا صحیح معنوی ادراک اس وقت ہوتا ہے جب اس سمندر کے ماہر غواص کی صحبت میسر آتی۔ بحرِ تصوف میں غوطہ زن ہونے کا پہلا مرحلہ بیعت ہے۔اس کی حقیقی طور پر آشنائی ہی تعلیماتِ تصوف کو سمجھنے کی پہلی سیڑھی ثابت ہوتی ہے۔

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت پروردۂ آغوشِ ولایت محترم جناب صاحبزادہ محمد توصیف النبی مجددی زید علمہ نے زیرِ نظر کتاب میں مسائلِ بیعت کو مفصل طور پر زیبِ قرطاس کیا ہے اور اس کو آسان سے آسان تر بنانے کی از حد کوشش کی گئی ہے ۔ بیعت پر قرآن و حدیث کے دلائل کے علاوہ اس کتاب کی اہمیت اس بات سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں شیخ اور مریدین کے آداب و شرائط کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔اس سے نام نہاد پیروں کو پہچاننے اور ان سے بچنے میں مدد ملے گی

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کیلئے ذریعۂ اصلاح بنائے اور حضرت پیرزادہ صاحب کی علمی، عملی، روحانی، اخلاقی اور فکری خدمات کو پروانۂ قبولیت عطا فرمائے۔آمین

عبدِ ذوالمنن محمد عرفان طریقتی القادری

مدیر ماہنامہ بہارِ اسلام لاہور

☆.....مقدمہ.....☆

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد نواز نوشاہی

☆......مقدمہ......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۞ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۞

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں، در حقیقت وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت کے نیچے اپنے مرشد و مربی حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کو وہ بیعت اتنی پسند آئی کہ اس نے اس بیعت کو اپنی بیعت قرار دے دیا۔ اگرچہ بظاہر نبی کریم ﷺ کا ہاتھ تھا، لیکن در حقیقت یہ دست خدا تھا۔ جس طرح حضور ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا ہے، اسی طرح حضور ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت اور حضور ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ فرمایا گیا۔ اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی ذات و صفات سے فنا ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو چکے تھے اس لئے جو فعل حضور ﷺ سے صادر ہوتا در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتا۔

اسلام میں جو بیعت مروج ہے کہ کسی ولی کامل کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے وہ اسی سنت کا اتباع ہے۔ اس آیت کے علاوہ اور کثیر آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس آیت سے بیعت کی سنت اور مشائخ

کبار سے اکتساب فیض ثابت ہوتا ہے۔ مشائخ جنہیں اللہ تعالیٰ نے قطب ارشاد کے مقام پر فائز کیا ہے، وہ اس طرح کہ علمی تجلی سے ترقی دے کر انہیں مشاہدہ کی تجلی تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

زمانوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ احوال اور اعمال میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ایسے زمانے سے گزر رہے ہیں کہ ایک طرف ایک گروہ نے دشمنان اسلام کی خواہشات کی تکمیل کے لیے تصوف کے خلاف محاذ آرائی قائم کر رکھی ہے۔ اور دوسری طرف نااہل لوگوں نے صوفیاء کرام کا لبادہ اوڑھ کر تصوف کی صورت کو مسخ کر دیا ہے، جن کو دیکھ کر ایک معمولی عقل والے انسان کے دل میں بھی بیعت کے خلاف جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔ شیطان کے تربیت یافتہ، دین کے ٹھیکے داروں نے معاشرے میں یہ بات بھی مشہور کر رکھی ہے۔ کہ جب ہمارے پاس راہنمائی کے لئے قرآن اور حدیث موجود ہے تو پھر کسی اور راہنمائی کی کیا ضرورت ہے؟

بے شک قرآن وسنت کی پابندی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کر سکتا ہے۔ اور جس نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ انہیں کی پابندی سے حاصل کیا ہے۔ مگر سوچنے والی بات یہ ہے کہ مقامات عالیہ مثلاً اخلاص، زہد، تقوی، ورع، توکل، صبر، رضا، تسلیم وغیرہ، کی حقیقت سے آگاہی نہ تو تفسیر وحدیث کے پڑھ لینے سے حاصل ہو تی ہے اور نہ رسمی طور پر اوامر ونواہی کی پابندی سے ان مقامات پر فائز ہوا جا سکتا

ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں ان مقامات کو اختیار کرنے کی بار بار تاکید آتی ہے۔عوام تو عوام رہے، وہ علماءِ شریعت جنھوں نے کسی شیخ کامل کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا اور ذکر و مجاہدات و ریاضت کے منازل طے نہیں کیے، انہیں مذکورہ بالا مقامات میں امتحان کر کے دیکھ لو صاف معلوم ہو جائے گا کہ وہ آیات و احادیث میں تو بال کی کھال اتار کر دکھا دیں گے۔ مگر روحانیت میں انہیں کچھ بھی بہرہ حاصل نہیں ہوتا۔ غرور، نخوت، ریا، عجب، حرص، شہوت، طلب جاہ و مال وغیرہ مہلکہ امراضِ روحانیہ میں اس طرح مبتلا ہوتے ہیں جس طرح دیگر اہل دنیا۔ اس امر واقعہ کا انکار کرنا محض دھوکا اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ حقیقت یہی ہے جو بیان کردی۔

اس سے ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہر ایک شخص جو نام نہاد کسی شیخ سے بیعت کرے، وہ مذکورہ بالا مقامات کو یونہی طے کر لیتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اوّل تو شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کی جائے شیخ کامل سے صرف وہی شخص فیض حاصل کر سکتا ہے جو تمام آدابِ سلوک کا عملاً پابند ہو اور مجاہدات و ریاضات میں اپنی عمر کا ایک حصہ صرف کرے ورنہ صرف ظاہری احکام شریعت کی پابندی جس کا اثر باطن پر کچھ نہ ہو، محض رسم و عادت ہے جس کی اہل حقیقت کے سامنے قدر و قیمت نہیں۔

تاریخ کے اوراق الٹنے سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اور علماءِ ظاہری کی ایک

جماعت گزری ہے جنہوں نے ایک عرصہ تک صوفیاء کی جماعت سے اختلاف رکھا مگر بعد میں جب اللہ تعالی نے اپنے فضل سے بصیرت عطا فرمائی تو اپنے رویے سے تائب ہوئے اور صوفیا کرام کی جانب رجوع کیا۔ شیخ عزالدین محدث رحمۃ اللہ تعالی علیہ جو مشاہیر علماء میں سے ہیں، صحبت مشائخ سے قبل نہایت اصرار اور تعصب کے ساتھ کہا کرتے تھے۔ "یہ (صوفیاء) کیا بدعات پھیلانے والا فرقہ ہے۔ بھلا کتاب سنت کے ہوتے ہوئے شیخ کی کیا ضرورت ہے؟" مگر ایک موقع پر مصر میں بڑے بڑے محدثین وفقہاء مثلاً شیخ تقی الدین اور شیخ تکین الدین کی مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو امام قشیری رحمۃ اللہ تعالی کے رسالہ تصوف کی بعض عبارات میں گفتگو پیش آگئی۔ اتنے میں شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تشریف لے آئے۔ چونکہ آپ مشائخ وقت میں سے تھے، سب نے استدعا کی کہ آپ اس کے متعلق کچھ فرمایئے، آپ نے جواب دیا کہ اس قدر ماہرینِ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے میرے بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر بار بار اصرار پر آپ نے ان مقامات کی ایسی تشریح کی کہ شیخ عزالدین بے اختیار پکار اٹھے کہ سنو سنو یہ وہ کلام ہے جو ابھی اللہ تعالی کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے۔ اور یہ وہ کلام ہے جس سے حقانیت کے انوار مہکتے نظر آتے ہیں۔

حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پہ خوب بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شروع سے اللہ تعالی نے روحانی تربیت کا سلسلہ یو

ں قائم کیا ہے کہ ایک فیض دیتا ہے، دوسرا فیض حاصل کرتا ہے۔اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔اور یہ امر نہایت ہی شاذ و نادر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بلا کسی مربی کی تربیت کے مقامات عالیہ تک ترقی دے۔مزید فرماتے ہیں کہ بغیر تربیت شیخ کوئی شخص مدارج سلوک پر ترقی نہیں کر سکتا لہٰذا مرید کو اس وقت تک شیخ کی صحبت سے علیحدہ نہیں ہونا چاہئے جب تک۔منزل مقصود (وصالِ الٰہی) تک پہنچ نہ جائے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پہلے صوفیاء کرام سے اعتراض رہا مگر بعد میں رجوع فرمالیا۔امام احمد شروع شروع میں اپنے بیٹے کو بڑے زور سے یوں نصیحت کیا کرتے تھے کہ بیٹا دیکھنا کہیں ان لوگوں کی صحبت میں جنہیں صوفیا کہتے ہیں نہ بیٹھنا کیونکہ یہ لوگ شریعت کے احکام سے بے خبر ہوتے ہیں۔سوتم علم حدیث کے سوا کسی کام میں نہ لگنا۔مگر امام صاحب جب حضرت ابوحمزہ بغدادی علیہ الرحمہ کی مجلس میں بیٹھنے لگے اور آپ کی آنکھیں کھلیں اور دقائق شریعت آپ سے حل کرانے لگے تو بیٹے کو یوں کہا کرتے کہ "بیٹا دیکھنا کہیں ان لوگوں پر جنہیں صوفیا کہتے ہیں سوءِ ظن (بدگمان) نہ کرنا اور کبھی ان کی صحبت سے غافل نہ ہونا، کیونکہ یہ ان اسرار و معارف کے خزانوں پر دسترس رکھتے ہیں جن سے ہم لوگ بے بہرہ ہیں۔یہ لوگ حقیقی علوم اور خشیت الٰہی اور زہد و اخلاص کے ان خزانوں کے مالک ہیں جنہیں علماء فقہ و حدیث اپنی ہزاروں کوششوں سے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔" الغرض ائمہ اربعہ چاروں کے چاروں علماءِ باطن بھی تھے۔اور اس عالم سے کوچ فرمانے سے قبل

اوتاد کے مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے۔امام غزالی علیہ الرحمہ بھی انہیں علما میں سے ہیں جنھیں شروع شروع میں صوفیا سے اعتراض تھا مگر بعد میں رجوع فرمایا اور اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

قابل صد احترام پیر طریقت صاحبزادہ توصیف النبی صاحب نے بیعت کی حیثیت و افادیت پر ایسی کتاب تصنیف کی ہے جس میں طالبان راہ حق کے لیے مکمل راہنمائی موجود ہے۔ بیعت ایک ایسا ضروری عمل ہے کہ جس کے بغیر انسان اپنے مقصد حیات میں کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔تاریخ گواہ ہے کہ ماضی میں کسی ایک ایسے بزرگ کا نام نہیں ملتا کہ جو کسی بزرگ کی بیعت کیے بغیر بلند رتبے پر فائز ہو گیا ہو۔جس قدر بزرگ اب تک ہوئے ہیں ہر ایک نے کسی نہ کسی سے بیعت ضرور اختیار کی ہے۔محترم پیرزادہ صاحب نے قرآن و حدیث،عمل صحابہ کرام ﷺ اور اقوال و اعمال مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی روشنی میں بیعت کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔

آج کا دور فتنوں کا دور ہے۔جس قدر سالک طریقت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرشد کامل کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ اسے جانچ پڑتال اور حق و باطل اور کامل و ناقص کے درمیان تمیز کی ضرورت ہے کیونکہ گندم نما جَو فروش،آدم صورت دیو سیرت جھوٹے ریاکار،دکاندار مشائخ دنیا میں ہر طرف بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔طالب حق کو تاریکی میں لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہونا

چاہیے ورنہ کبھی سانپ کو لکڑی سمجھ کر ہاتھ لگا لے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اللہ تعالی کے خالص کامل بندے دنیا میں مثل عنقاء بہت کم یاب ہیں اور جھوٹے دکاندار، مکار، ریا کار شکاری بے شمار ہیں۔ یہ شیطانی صفات لوگ سلیمانی لباس پہن کر تختِ مشیخت پر جلوہ افروز ہو گئے ہیں اور نادان اور سادہ لوح لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ یہ مکار دکاندار، طرح طرح کے کرشموں سے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ بعض نے فقراء کے خالی لباس سے، بعض نے صوفیانہ شکل وشباہت اور طرزِ ادا سے، بعض نے زبانی قیل وقال یعنی تصوف پر عالمانہ گفتگو اور سابقہ اولیاء کے قصے کہانیوں سے اور بعض نے اپنے خاندانی تقدس اور نسب ونسل کے بل بوتے پر مشائخی اور بزرگی کی دکان چمکا رکھی ہے۔ پیرزادہ صاحب نے اس کتاب میں اس حوالے سے وہ مکمل راہنما اصول بیان کر دیئے ہیں ۔ جن کو پڑھ کر طالب حق، نقالوں سے بچ کر شیخ کامل کی تلاش میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

پیرزادہ نے عنوان ''ضرورت شیخ'' کے تحت سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 35 کو بطورِ استدلال سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالی سے اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت میں چونکہ خطاب ہی ایمان والوں سے کیا جا رہا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ وسیلہ ایمان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اس آیت میں تقوی اختیار کرنے اور مجاہدہ کا ہی حکم دیا گیا ہے چنانچہ وسیلہ، ایمان، تقوی اور مجاہدہ کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہی ہوسکتا ہے۔ اولیائے کرام کا فیصلہ ہے کہ وسیلہ سے مراد شیخ کامل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن منکرین تصوف کہتے ہیں، یہاں وسیلے سے مراد نیک اعمال ہیں۔ ان کے اس خیال کے رد میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

"اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ بہ درجہ اولی وسیلہ ہوتا ہے کیونکہ مرید کے سارے کے سارے نیک کام اس کے مرشد کے سبب وجود میں آتے ہیں۔"

علامہ ابن منظور، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، خواجہ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء، مجدد الف ثانی، مولانا روم، عطار (رحمہم اللہ) کے علاوہ تمام اولیائے کرام (قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ) اس آیت میں مذکور لفظِ وسیلہ سے مراد شیخ کامل کو ہی لیتے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دنیا کے کسی علم و فن کو سیکھنا ہو تو اس علم و فن کے ماہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس علم و فن کا خاص نصاب اور سکھانے کے لیے خاص ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیز میں بے شمار علوم و فنون پڑھائے اور سکھائے جا رہے ہیں۔ ایک یونیورسٹی میں مختلف شعبے ہوتے ہیں جن میں متعلقہ علوم و فنون کے ماہرین طلبہ کو پڑھاتے سکھاتے ہیں، اسلام

ایک جامع یونیورسٹی ہے جو بے شمار شعبہ ہائے علوم وفنون پر مشتمل ہے۔ان میں سے ایک شعبہ علم روحانیت ہے۔ جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے۔تصوف، اسلام کی روح ہے۔اسلام کا حسن و جمال ہے۔اسلام کا کمال ہے"اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ "(یادرکھو خالص عبادت اللہ ہی کے واسطے ہے۔) کی تصدیق ہے۔ اس شعبے کا سربراہ امام سلسلہ کہلاتا ہے اور اس علم کے سکھانے والے، مشائخ کہلاتے ہیں۔انہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں یوں فرماتا ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ○

ترجمہ: ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کہ زندہ کیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیا کہ اس کو لیے ہوئے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ ایسی تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے جن سے کہ وہ نکلنے نہ پاتا ہو۔

انہی کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ" جو شخص کسی ولی اللہ سے عداوت رکھے یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کی، بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں کو پرہیزگار اور پوشیدہ حالوں کو۔ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔(ابن ماجہ)

جس ماحول میں تصوف کی تعلیم دی جاتی ہے اسے خانقاہ کہا جاتا ہے یہ خانقاہیں، روحانیت کے سکول، کالجز اور یونیورسٹیاں ہیں، ان روحانی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں باطنی تعلیم کے لیے مسلسل محنت وکوشش کرتے کرتے طلبہ عقل کل اور باطنی حواس پیدا کر لیتے ہیں۔ اور درجہ عین الیقین کو پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس دنیا میں آخرت کے بھاری امتحان کے خوف اور فیل ہونے کے حزن وغم سے نجات پالیتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ"

"خبردار! بے شک اللہ کے اولیا، ان کے لیے نہ خوف ہے نہ غم۔"

غرض باطنی علوم کے لیے تزکیہ نفوس کے مدرسے، تصفیۂ قلوب کے مکتب اور ارواح و اسرار کے کالج و یونیورسٹیاں علیحدہ ہیں۔ جن لوگوں کو کبھی بھولے سے بھی ان باطنی سکولوں اور روحانی کالجوں کی طرف گذر نصیب نہیں ہوا وہ ہوا وہوس کے بندے ان باطنی علوم اور غیبی اسرار اور ان کے روحانی استادوں اور پروفیسروں کو کیا جانیں؟ اور اس باطنی روحانی دنیا کا انکار نہ کریں تو اور کیا کریں؟

مشائخ کبار نے شعبہ تصوف کے لیے قرآن و حدیث پر مشتمل مکمل نصاب تیار کیا ہے۔ جس میں مہارت حاصل کیے بغیر طالب علم سند خلافت اور خرقہ خلافت کا اہل نہیں بنتا۔ یہ نصاب مختلف مدارج پر مشتمل ہے۔ جنہیں سلوک کے مقامات کہا جاتا ہے۔ محترم پیرزادہ صاحب نے اس نصاب کو درج ذیل عنوانات

کے تحت کتاب میں بیان کیا ہے۔

۱۔توبہ ۲۔ورع ۳۔زہد ۴۔فقر ۵۔صبر ۶۔توکل ۷۔ایثار ۸۔رضا

پیرزادہ صاحب نے قرآن وحدیث اوراقوالِ مشائخ کی روشنی میں ان مقامات کی خوب وضاحت کی ہے۔

شیخ کامل سے بیعت کا حقیقی مقصد اللہ تعالی کی طرف راہنمائی اور ماسوئ سے اعراض ہے، جس کے باعث مرید پر نورِحق نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اندرونی نجاستوں سے پاک ہونا، باطنی اسرار ورموز اور اشغال روحانیت سیکھتا ہے۔ اس تربیت سے مرید کو عشق الٰہی، عشق مصطفوی ﷺ حاصل ہونے کے ساتھ مشاہدہ باطن شروع ہونے لگتا ہے اور سلوک کی لامتناہی منزل کا راہی بن جاتا ہے۔

بیعت کی صورت میں طریقت کے اعتبار سے مرید کی تربیت کی جاتی ہے ۔اپنی ذات کی صفائی کرنا، رذائل کو دور کرنا، نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ اور روح کا تجلیہ کرنا، سرِّ خداوندی کا متحمل ہونا، اخلاق مصطفوی ﷺ کا عکس بننا اور وصالِ الٰہی حاصل کرنا بیعت کے مقاصد میں شامل ہے۔ مرید بالآخر تلاش حق اور مقامات فتح حاصل کرنے کے بعد پیرومرشد کے نور کا وارث بنتا ہے۔ محترم صاحبزادہ صاحب نے ان مقاصد بیعت کو دو مراحل میں بیان کیا ہے۔

پہلا مرحلہ : ۱: تزکیہ نفس، ۲: صفائے قلب، ۳: اطاعت حق پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے مرحلے میں یہ تین مقاصدِ بیعت بیان کئے ہیں۔

۱۔ محبت الٰہی   ۲۔رضائے الٰہی   ۳۔معرفت الٰہی

شیخ کامل کی زیرِ نگرانی ایک خاص ماحول میں مشائخ کے وضع کردہ طریق تربیت کے تحت تربیت پانے والا مرید جب کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے تو مشاہدہ حق کے رتبہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔اس پر انوار الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔جس کی برکت سے من جانب اللہ وہ بصیرت پاتا ہے جس سے دوسرے لوگ محروم ہوتے ہیں۔کتاب ھذا میں بیعت کے فوائد کے تحت ان فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔جو بیعت کرنے اور تعلیمات تصوف پر عمل کرنے سے سالک کو حاصل ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

باب اول

☆......لفظ بیعت کی لغوی و اصطلاحی تشریح

☆...... تحقیق بیعت

☆......بیعت کی اقسام

☆......بیعت کے اسباب

لفظ بیعت کی لغوی واصطلاحی تشریح:(۱)

بیعت کا لفظ بیع سے ہے جسے خرید وفروخت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلامی بیعت میں یہ لفظ اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ ایک گونہ انسان اپنی ذات کو ذاتِ حق جل وعلا کے لئے فروخت کر دیتا ہے۔ خرید وفروخت کی تکمیل کے لئے نیت کافی نہیں۔ فروخت کرنے والے کا صرف دل میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کروں گا اور خریدنے والے کا دل میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص سے خریدوں گا۔ اور اس کو یہ قیمت دوں گا۔ عمل خرید و فروخت کے لئے کافی نہیں۔ جب تک اظہار نہ ہو اور اس پر عمل کا جامہ نہ پہنایا جائے۔ جان و مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے صرف نیت کافی نہیں بلکہ عمل کے ذریعے اس نیت کے اظہار کی ضرورت ہے۔ اپنی جان اور اپنے مال کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دینا اصل بیعت ہے۔ حقیقت میں سب کچھ حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ جان بھی اسی کی ہے۔ جسم بھی اسی کا ہے اور مال بھی اسی کا ہے۔ بندہ جب خدا کی ملکیت پر چھاپا مارتا ہے۔ خدا کی ملک کو اپنی چیز سمجھنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق اس کے استعمال میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ اپنے حقیقی ملک کی مملکت ہونے کے باوجود علم بغاوت بلند کرتا ہے لیکن جب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنی بغاوت سرکشی سے نادم ہو کر اصلاح کرتا ہے۔ جب اپنے دل میں ہر چیز کو خدا کی سمجھا جائے اور فرمانبردار عبد کی طرح خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم

کر دیا جائے تو اس رجوع الی اللہ کو بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔کوئی چیز کسی کو پیش کی جاتی ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری چیز لی جاتی ہے تو اس لین دین کو بیع کے نام سے پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس بیع کا آغاز رسول کریم ﷺ کی وساطت سے ہو چکا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ اکرام کی تربیت فرمائی ہے۔ حضور ﷺ کے بعد یہ سودا ہمیشہ اس متقی اور برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں لایا گیا جو سنجیدہ اور اس کا اہل تھا۔ نفس امارہ کا توبہ کرنے اور خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کو ہی بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے گندے خیالات اور فسق و فجور سے توبہ کرتا ہے اور اعضاء و جوارح کو توبہ اور رضا و رغبت کے ساتھ اللہ کریم کے حوالے کرتا ہے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اپنی رضا و خوشنودی عطا فرماتا ہے یہ ہی بیعت ہے جو کہ ایک معاہدے کی صورت میں مرشد کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ طے کیا جاتا ہے۔ یہ ہی وہ طریقہ ہے جو کہ رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کے صحابہؓ اور ان کے بعد صوفیاء کرام نے جاری رکھا۔

تحقیق بیعت:

صوفیائے اکرام نے بیعت کو سنت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضور ﷺ سے بیعت کے ذریعے یقیناً قربِ خداوندی حاصل کیا۔ مگر کسی شرعی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں کہ بیعت نہ کرنا گناہ ہے اور اس پر اختلاف بھی نہیں ہے۔ بیعت کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہ ہے

کہ اس نے نفس میں مخفی امور کو ظاہری افعال واقوال سے وابستہ کر دیا ہے۔ زبان کو دل اور ضمیر کا ترجمان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قیامت کی تصدیق قلبی مخفی امر ہے۔ چنانچہ یہاں اقرار کو تصدیق قلبی کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح خریدار اور دوکاندار کا خریدی جانے والی چیز پر رضامندی یا سودا اور اصل دلی معاملہ ہے۔ توبہ یعنی گناہوں سے محفوظ رہنے کا ارادہ اور تقوی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا ایک پوشیدہ اور قلبی معاملہ ہے۔ اس لئے بیعت کا اقرار اس کی پختگی کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد جب سلطنت میں وسعت ہوتی رہی تو بیعت کو ترک کر دیا گیا۔ بنوامیہ اور بنوعباسیہ میں بھی حکمرانوں کی نااہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے بیعت کا سلسلہ ختم ہو رہا۔ مگر صوفیائے کرام میں بیعت اور خرقہ پوشی کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ جب سلاطین سے بیعت متروک ہوگئی تو صوفیاء نے اس سنت کو زندہ کیا۔ احادیث میں یہ بات ملتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مختلف مقاصد کے لئے بیعت لی۔ رسول اکرم ﷺ نے بعض دفعہ ارکان اسلام کی اقامت پر بیعت لی۔ بعض دفعہ آپ نے سنت کی پیروی پر بیعت لی۔ آپ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے بیعت لی۔ اسی طرح آپ نے انصار کی ایک جماعت سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کی پرواہ نہیں کریں گے اور کسی کا خوف دل میں نہیں لائیں گے۔ اور کسی حال میں حق کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے انصار کی عورتوں سے بھی بیعت لی کہ وہ

میت پر بین نہیں کریں گی۔ ان کے علاوہ کئی اور امور پر بیعت لی گئی ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بیعت، تزکیہ نفس، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے بھی ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر بیعت، بعد والے خلفاء کے دور میں متروک رہی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی اسلام کی بیعت نہیں ہوئی تاہم اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے دور میں قبول اسلام شان وشکوہ اور حق کے دبدبے اور وقار کی بنا پر تھا۔ جبکہ بعد والے بادشاہوں کے زمانے میں بیعت اسلام اس بنا پر متروک رہی کہ ان میں سے اکثر ظالم اور بد کردار تھے۔ انہیں احیائے سنت اور اقامت دین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ البتہ اس زمانے میں مشائخ وصوفیاء، بیعت کی بجائے خرقہ پوشی سے دینی مقاصد حاصل کرتے رہے۔ بعد والے دور میں یہ رسم ختم ہوئی تو مشائخ وصوفیاء نے موقع غنیمت جان کر سنت بیعت کو دوبارہ لازم پکڑ لیا۔ (۲)

اقسام بیعت:

بیعت کی چند اقسام ہیں مثلاً بیعتِ اسلام، بیعتِ خلافت، بیعتِ ہجرت، بیعتِ جہاد، بیعتِ تقویٰ، بیعتِ تَمَسُّك بِالسُّنَّة، بیعتِ شوقِ زیادتی عبادت وغیرہ۔ وہ جملہ امور جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن سے متعلق ہیں اور تقرب اِلیٰ اللہ کا ذریعہ بنتے ہیں، بیعت تصوف میں شامل ہیں۔ (۳)

بیعت اسلام:

خلفائے راشدین کے دور میں بیعت اسلام ختم ہوگئی تھی اس کی وجہ تھی کہ کثرت کے ساتھ لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ فرق معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون اللہ کے لئے بیعت کر رہا ہے اور کون غلبہ اسلام کی وجہ سے داخل ہو رہا ہے۔ دور بنی امیہ اور بنو عباس میں بیعت نے اس لئے رواج نہ پکڑا کہ حکمران فاسق اور ظالم تھے۔

بیعت تقویٰ:

بیعت تقویٰ بھی خلفائے راشدین کے زمانے میں متروک ہو چکی تھی۔ قرب زمانہ رسالت مآب ﷺ کے لوگ بکثرت اخذِ انوار اور فیضان باطن سے مالا مال تھے۔ اسلامی فتوحات کی وسعت نے خلافت کی ذمہ داریوں کو ایک بارِ عظیم بنا دیا تھا اور جدید معاملات لازمی طور پر ان کی توجہات کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ اس متبرک زمانے کے ختم ہونے کے چند روز بعد تک بھی یہ بیعت اپنی اصلی شکل میں جاری نہ ہو سکی۔ کیونکہ خوف تھا کہ اس سے فتنہ وفساد نہ بھڑک اٹھے۔ اور ایسا نہ ہو کہ اس بیعت پر بیعت خلافت کا گمان کیا جائے اور اس غلط گمانی کی بنا پر لوگوں کو ناحق ایذا پہنچائی جائے۔ چنانچہ اس زمانے میں صوفیائے کرام نے خرقہ دینے کو قائم مقامِ بیعت قرار دیا تھا۔ لیکن جب ایک مدت بعد ملوک اور سلاطین سے رسم بیعت معدوم ہوگئی اور وہ تمام اندیشے جاتے رہے تو حضرات صوفیاء نے اس مردہ سنت کو زندہ کیا۔ اور بیعت تقویٰ کو جاری کر دیا۔ صوفیائے کرام ہی کے اسے زندہ

کرنے کی بنا پر بیعت تقوی اِنْقِطَاعُ عَنْ مَّا سِوَی اللّٰہِ (اللہ تعالٰی کے سوا ہر چیز سے منقطع ہو جانا) کے دیگر لوازمات کو اپنے ساتھ شامل کر کے بیعت تصوف کے نام سے مشہور ہوگئی۔

بیعت برکت: (۴)

صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانا۔ موجودہ زمانے میں عام بیعتیں یہی ہیں وہ بھی نیک نیتوں کی ورنہ اکثر لوگوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لئے ہوتی ہے اس بیعت کے لئے شیخ، اتصال کی شرائط اربع کا جامع ہو۔ محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا اور ان سے سلسلہ متصل ہو جانا سعادت ہے۔ اس کے چند فوائد ہیں۔

اول: ان خاص خاص غلاموں اور سالکین راہ سے مشابہت پیدا ہو جانا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ "مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ" ترجمہ: جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں۔

"وَاعْلَمْ اَنَّ الْخِرْقَۃَ خِرْقَتَانِ۔ خِرْقَۃُ الْاِرَادَۃِ وَخِرْقَۃُ التَّبَرُّکِ۔ وَالْاَوَّلُ الَّذِیْ قَصَدَہُ الْمَشَائِخُ لِلْمُرِیْدِیْنَ۔ خِرْقَۃُ الْاِرَادَۃِ۔ وَخِرْقَۃُ التَّبَرُّکِ تُشَبِّہُ بِخِرْقَۃِ الْاِرَادَۃِ فَخِرْقَۃُ الْاِرَادَۃِ لِلْمُرِیْدِ الْحَقِیْقِیِّ وَخِرْقَۃُ التَّبَرُّکِ لِلْتَّشَبُّہِ وَمَنْ

تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔

(جان لو کہ خرقہ دو طرح کا ہوتا ہے، خرقۂ ارادت اور خرقۂ تبرک۔ اول یعنی خرقۂ ارادت وہ ہے جو مشائخ مریدوں کو دیتے ہے اور خرقۂ تبرک، خرقۂ ارادت کے مریدین سے مشابہت پیدا کرنے کیلئے ہوتا ہے اور جو جس قوم سے مشابہت رکھتا ہے وہ انہیں میں سے ہوتا ہے۔)

ثانیا: ان غلامان خاص کے ساتھ ایک مسلک میں منسلک ہونا۔

ثالثا: محبوبان خدا رحمت ہیں۔ وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظر رحمت رکھتے ہیں امام یکتا سیدی ابو الحسن بہجۃ الاسرار میں فرماتے ہیں۔ حضور پرنور سیدنا غوث اعظم سے عرض کی گئی اگر کوئی شخص حضور کا ہم نام ہو اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا؟ فرمایا جو اپنے آپ کو میری طرف منسوب کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے اللہ اسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ دے گا۔ وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے اور بے شک اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

بیعت ارادت:(۵)

اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہوکر اپنے آپ کو شیخ، مرشد، ہادیٔ برحق، واصل عشق کے بالکل سپرد کردے۔ اسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک ومعترف جانے اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے۔ کوئی قدم بھی اس کی مرضی کے خلاف نہ رکھے۔ اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے۔ اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔ غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہوکر رہے۔ یہی بیعتِ سالکین ہے اور یہی مقصودِ مشائخ ومرشدین ہے۔ اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے۔ یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے لی۔ سیدنا عبادہ بن صامت انصاری فرماتے ہیں۔

"بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْہِ السَّلَام عَلٰی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِیْ الْعُسْرِ وَ الْیُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَالْمُکْرَہِ وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَاَهْلَه۔" ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری ہر خوشی وناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کرینگے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون وچرا نہ کریں گے۔ شیخ ہادی کا حکم رسول کا حکم ہے اور رسول کا حکم اللہ کا حکم اور اللہ کے حکم میں مجالِ دم زدن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ بعض الله ورسوله فقد ضل ضلاله مبینا۔

کسی مسلمان مرد وعورت کیلئے جائز نہیں کہ جب اللہ ورسول کسی معاملے

میں کچھ فرمادیں تو انہیں (یعنی مومنوں کو) اپنے کام کا کوئی اختیار رہے اور جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا۔

عوارف المعارف میں ارشاد فرمایا۔ "**دخولہ فی حکم الشیخ دخولہ فی حکم اللہ رسولہ ،واحیلہ سنۃ المبایعۃ**"۔ شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ ورسول کے زیر حکم ہونا ہے اور اس بیعت کی سنت کا زندہ کرنا۔ نیز فرمایا "**و لا یکون ھذا الا لمرید حصر نفسہ مع الشیخ وانلع من ارادۃ نفسہ و فنی فی الشیخ بترک اختیار نفسہ**" ۔ یہ نہیں ہوتا مگر اس مرید کے لئے جس نے اپنی جان کو شیخ کی قید میں کر دیا اور اپنے ارادے سے باہر آیا اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہو گیا۔

اسباب بیعت:

صوفیاء کے ہاں نظام تربیت کے لئے کسی بھی مبتدی کو ایک خاص ماحول میں رکھا جاتا ہے اور یہ خاص ماحول ایک جامد، منظم باہمت تربیت اور پختہ یقین والا فرد تیار کرتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں ایسی مضبوط تربیت سے گزارنے کے لئے ایک عہد لیا جاتا ہے۔ عہد یہ ہوتا ہے کہ میں آئندہ اچھائیوں پر کار بند رہوں گا، برائیوں سے بچتا رہوں گا۔ اور گزشتہ گناہوں سے میں توبہ کرتا ہوں۔ اس عہد کا نام بیعت ہے۔ بیعت کرنے کے بعد وہ شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پابند ہو جاتا ہے اور شیخ، تقریر اور تدبیر کے معمولات کو عملاً مرید پر واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ

بیعت کی ابتدائی شکل ہے حقیقی بیعت اس عہد کو کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص گناہوں سے نہایت پختہ توبہ کر کے ذات حق کی تلاش میں اپنے مربی کے بتائے ہوئے اُصول وضوابط کی پابندی شروع کر دیتا ہے۔ اور اپنے اس نصاب کی عملی تکمیل کے لئے اپنے ظاہر و باطن کو وقف کر دیتا ہے۔ اور اپنے رب کے سامنے ایسے ہو جاتا ہے جیسے مردہ غسّال کے سامنے۔ اور بیعت میں یہ انتہا درجے محبت اور وفا کا مظہر ہوتا ہے۔ بیعت کرنے کے بہت سے مقاصد ہوتے ہیں اُس میں امور کے معاملات اور آخرت کے مشکل وقت میں کامیابی کے لئے محنت اور ریاضت کے علاوہ یقین کی پختگی پر زور دیا جاتا ہے۔ گویا بیعت کا مطلب ایک ایسے نظام تربیت کو قبول کرنا ہے جس میں ظاہر و باطن اور اخلاق کے معاملات سنورتے ہیں اور انسان زندگی کے انہی مقاصد کو مکمل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ بیعت ایک اخلاقی اور مذہبی مسنون طریقہ ہے جس طریقے سے ہمیں تربیت کے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بیعت انتہا درجے کی کردار سازی کی بھی ضمانت دیتی ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا تربیت کے استحکام کے لئے بڑے اور چھوٹے افراد کی باہمی صحبت اور رفاقت کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صوفیانہ مسلکوں کی مرؤجہ بیعت ہمارے تدریسی نظام سے مختلف نظر آتی ہے بعض لوگوں نے علم تفسیر پڑھنا پڑھانا اور بعض لوگوں نے فن حدیث کو مستقل شغل سمجھا۔ صاحبان فقہ نے اپنے علم وفن کی مشغولیت کو کل دین سمجھا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی دینی علم یا فن کی اہمیت کا

انکار کرنا دراصل حقیقت سے منہ پھیرنا ہے۔ علم سے لے کر فن تک، فن سے لے کر فکر تک، فکر سے لے کر عمل تک، عمل سے لے کر تبلیغ تک، تبلیغ سے لے کر اسلامی معاشرے کی تشکیل تک تمام مراحل اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان حقائق میں باہمی ارتباط نہایت ضروری ہے۔ محض علم وخبر کو اور فکر وفن کو عملی معاشرے کے لئے کافی قرار دینا پانی پر لکیر کھینچنے کے مترادف ہے۔ قرآن نے ایک بہت بڑا ناقابل تردید اصول بیان فرمایا ہے۔ "جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم میں پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھلاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے (۶)"۔

آیت مذکورہ میں تلاوت کو علیحدہ، علم کو علیحدہ، حکمت کو علیحدہ اور تزکیہ نفس کو علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ گویا ایمان وعمل کی دنیا کی یہ چار حقیقتیں اور دین کی چار اصطلاحات ہیں۔ ان میں سے سب سے بلند، مشکل ترین اور مقصود دین، تزکیہ نفس ہے۔ تلاوت کتاب اور حکمت تبھی مفید ثابت ہو سکتی ہے جب انسان کا باطن پاکیزگی حاصل کر لے۔ اگر باطن کو پاکیزگی حاصل نہ ہو تو پھر علم وحکمت اور تعلیم کتاب بالکل ایک جسدِ بے روح ہو جاتی ہے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل\
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۷)

روح کی پاکیزگی کے حصول کے لئے اور باطن کو روشن کرنے کے لئے

زبان کے اقرار سے لے کر فکر و عمل کی دنیا کو یادِ الٰہی سے مامور کرنے کے جتن کیے گئے اس کے باوجود اگر پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی تو سمجھ لیجئے کہ مقصودِ دین کے صراطِ مستقیم پر ابھی پہلا قدم بھی نہیں پڑا۔ دین کا مقصود کسی بھی فرد کی ظاہری و باطنی تہذیب و تربیت ہے۔ جب کہ فرد کی مرکزیت اس کی روح کو حاصل ہے۔ اور قرآن نے محض قبولیت ایمان کو نہیں بلکہ استقامت دین کو اہمیت دی ہے۔ اس لئے روح و جسم اور فکر و عمل کے ساتھ اسلام میں داخل ہونا ضروری ہے اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں کو خرید لیا تو گویا اپنی ذات کی کامل سپردگی خدا کے حوالے کرنا ہے اسی لئے رسول پاک ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف انداز میں بیعت لی ہے اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے اصول، پختگی دین کے لئے لی جانے والی بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے اس کے مختلف پہلو پر غور کرتے ہیں۔

بیعت عقبہ اولیٰ:(۸)

یہ واقعہ نبوت کے گیارھویں سال حج کے موقع کا ہے۔ مختلف قبائل فریضہ حج کے لئے مکہ میں جمع ہوتے ہیں رسول کریم ﷺ ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لاتے ہیں اور اُن کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں ایک دن حضور علیہ السلام بمقام عقبہ کے قریب تشریف لائے تو بنی خزرج کے ایک گروہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اُن سے پوچھا مَنْ اَنْتُمْ؟' تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبیلہ خزرج

سے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے پاس بیٹھ گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اور آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان سب نے حضور ﷺ کی دعوت دل و جان سے قبول کر لی اور سارے کے سارے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اہل عرب حج کے فریضہ کے لئے ماہ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے لیکن عمرہ ادا کرنے کے لئے رجب میں آتے تھے۔ اس طرح سال میں دو مرتبہ قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری دیتے۔ قبیلہ خزرج کے یہ چھ افراد، رجب میں عمرہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ اپنے وطن واپس پہنچ کر انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی ملاقات کا حال اپنی قوم کو بتایا، نئے دین سے متعارف کروایا اور بتایا کہ انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اور اپنی قوم کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان لوگوں کی وجہ سے گھر گھر میں حضور ﷺ کا ذکر خیر ہونے لگا۔ آئندہ سال حج کے دنوں میں انصار کے بارہ آدمی عازم مکہ ہوئے۔

۱۔ اسعد بن زرارہ، یہ پچھلے سال بھی حاضر ہوئے تھے۔ ۲۔ عوف بن حارث، یہ بھی پہلے حاضر ہوئے تھے۔ ۳۔ معاذ بن حارث، یہ عوف کے بھائی ہیں اور یہ دونوں اکٹھے حاضر ہوئے تھے۔ ۴۔ رافع بن مالک ۵۔ ذکوان بن عبد قیس ۶۔ عبادہ بن صامت ۷۔ یزید بن ثعلبہ ۸۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ ۹۔ عقبہ بن عامر ۱۰۔ عقبہ بن عامر۔ (یہ دس خزرجی تھے)

سال گزشتہ جو چھ خوش نصیب مشرف بہ اسلام ہوئے تھے ان میں سے پانچ ان بارہ افراد میں شامل تھے۔ اور بنی اوس سے دو لوگ آئے تھے۔

۱۔ عویم بن ساعدہ

۲۔ ابوالہیثم بن التیہان

یہ بارہ افراد حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے اور عقبہ کے مقام پر حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ میں شرکت کی۔ انہوں نے بیعت کی تفصیل یوں بیان کی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی کہ "ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھرائیں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم بدکاری نہیں کریں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اور نہیں لگائیں گے جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے کسی نیک کام میں"۔ ان امور پر بیعت لینے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا۔ "وان وفیتم فلکم الجنة. وان غشیتم من ذلك شیئا فامرکم الی الله. ان شاء عذب وان شاء غفر" "اگر تم نے اس معاہدہ کو پورا کیا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم نے کسی شرط کو پورا نہ کیا تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے"۔ اس بیعت کو بیعت العقبہ الاولیٰ کہا جاتا ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ:(۹)

گزشتہ سال بنو خزرج کے بارہ آدمیوں نے رسول کریم ﷺ سے بیعت کی سعادت حاصل کی جب وہ اپنے وطن واپس جانے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ روانہ کیا تا کہ وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اور جو لوگ اسلام قبول کرلیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں تا کہ اسلام کا صحیح فہم اور ادارک پیدا ہو۔ حضرت مصعب کی تبلیغ سے یثرب کے دو بڑے سردار اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ نے اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ جب حج قریب آگیا تو حضرت مصعب کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف انصار کا ایک قافلہ روانہ ہوا جس میں ستر انصار شامل تھے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ عقبہ کی وادی میں ملاقات ہوئی اور طے پایا کہ ایام تشریق کی فلاں رات کو پھر ملاقات ہوگی۔ حضرت ابن مالک فرماتے ہیں کہ جو کافر ہمارے ساتھ مکہ آئے تھے ان میں ایک عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھا جو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ ہم نے اس کو اپنے اعتماد میں لے کر کہا اے عبداللہ! تو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہے اور ہمارے شہر کے شرفاء میں سے ایک شریف آدمی ہے ہمیں یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ تم کفر پر مرو اور کل روز قیامت دوزخ میں جاؤ پھر ہم نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسے بتایا کہ آج رات ہم عقبہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرنے والے ہیں چنانچہ وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور رات کو ہمارے ساتھ

عقبہ کی بیعت میں شرکت کی اور بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب انہیں نامزد کیا گیا۔ سب لوگ جب اکٹھے ہو گئے تو حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا، انصار نے عرض کی۔ "یا رسول الله علی مانبا یعك؟" "یا رسول اللہ ﷺ ہم کسی چیز پر آپ سے بیعت کریں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ان باتوں پر میری بیعت کرو۔

۱۔ میری بات سنو گے اور اس کو بجالاؤ گے خوش دلی کی حالت میں بھی اور درماندگی اور فقر کی حالت میں بھی۔

۲۔ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تنگ دستی کی حالت میں بھی اور فارغ البالی کی حالت میں بھی۔

۳۔ تم نیکی کا حکم کرو گے اور برے کاموں سے روکو گے۔

۴۔ اللہ تعالٰی کے لئے گفتگو کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرو گے۔

۵۔ نیز اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس مدینہ منورہ آؤں تو تم میری مدد کرو گے اور ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کا دفاع کرتے ہو۔

۶۔ اگر تم اس بیعت کو نبھاؤ گے۔ اللہ تعالٰی تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم سب بیعت کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اتنے

میں اسعد بن زرارہ جو میرے علاوہ تمام قافلہ والوں سے کم سن تھے انہوں نے حضور ﷺ کا دست مبارک تھام لیا اور ہمیں کہنے لگے۔

"اے اہل یثرب! بیعت کرنے میں جلدی نہ کرو۔ پہلے میری بات سنو ہم نے اپنی سواریوں کے کلیجوں کو اس لئے درماندہ کیا ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ آج تم انہیں نکال کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہو، سارے اہل عرب سے تمہارا تعلق ٹوٹ جائے گا، تمہارے سرداروں کو قتل کیا جائے گا اور تلواریں تمہارے جسموں کو چبا کر رکھ دیں گی۔ اگر تلواروں کے چلانے پر، اگر اپنے سرداروں کے مقتول ہونے پر اور سارے اہل عرب کے بائیکاٹ کر دینے پر تم صبر کرنے کی ہمت رکھتے ہو تو بے شک ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اس کی جزائے خیر اللہ تمہیں ضرور دے گا۔ اور اگر تمہیں اپنی جانوں کی ہلاکت کا خوف ہے۔ تو پھر انہیں یہیں رہنے دو۔ آج تمہارا ان سے الگ ہو جانا بہتر ہے اور تمہارا یہ عذر اللہ تعالیٰ کی جناب میں قابل قبول ہوگا"۔

ان کے دوسرے ساتھیوں کو اس بے ضرورت نصیحت سے بڑی کوفت ہوئی انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

"اسعد! اس وعظ کو رہنے دو۔ ہم یہ بیعت ضرور کریں گے اور جو معاہدہ ہم کر رہے ہیں اس کو کسی قیمت پر نہیں توڑیں گے"۔

چنانچہ سب نے ایک ایک کر کے سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک پر

ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ حضرت جابر نے اس بیعت کا منظر ان الفاظ میں بیان فرمایا۔(۱۰)

"یَأْخُذُ عَلَیْنَا شَرْطَهُ وَ یُعْطِیْنَا عَلٰی ذَالِکَ الْجَنَّةَ"

حضور ﷺ ہم سے اپنی شرائط کے مطابق بیعت لیتے جاتے تھے اور ہمیں جنت عطا فرماتے جاتے تھے۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس رات بیعت کرنے والوں کی تعداد تہتر تھی اور ان تہتر مردوں کے علاوہ دو خواتین بھی تھیں جنہیں یہ شرف نصیب ہوا، ان میں سے ایک کا نام ام عمارہ نسیبہ بنت کعب تھا جو قبیلہ بنی مازن بن غیار سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری کا نام اسماء بنت عمرو بن عدی تھا یہ بنی سلمہ کے خاندان سے تھی۔ ان میں گیارہ آدمی قبیلہ اوس اور باسٹھ آدمی قبیلہ خزرج سے تھے۔

کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم سب شعب عقبہ میں جمع ہو گئے اور سرکار دو عالم ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے، حضور ﷺ کے ہمراہ حضور کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ محض چچا ہونے کے باعث رسول کریم ﷺ کے ساتھ آئے تاکہ رسول کریم ﷺ کے اس کام میں شرکت کریں اور انصار کے ساتھ جو معاہدہ طے پایا وہ ہر لحاظ سے مستحکم اور مضبوط ہو اور آگے چل کہ کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ حضرت عباس کے علاوہ حضرت

ابوبکرؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ بھی تھے لیکن جب وادی میں حضور ﷺ تشریف لے جانے لگے جہاں انصار سے ملاقات ہونی تھی تو از راہ احتیاط حضرت ابوبکرؓ کو اس سڑک کی نگرانی کے لئے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور سیدنا علی المرتضیٰ کو وادی کے دہانہ پر مقرر کیا گیا تاکہ وہ اس کی نگہبانی کریں جب تمام لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت عباسؓ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے گروہ خزرج! محمد ﷺ کا جو مقام ہماری نگاہوں میں ہے اس سے تم باخبر ہو اپنی قوم قریش کے ساتھ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش کے مقابلہ میں آپ کا دفاع کیا ہے وہ اپنی قوم میں معزز ہیں اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں انہوں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے ہاں منتقل ہو جائیں اور تمہارے ساتھ رہائش پذیر ہوں گے اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ جو معاہدہ تم نے ان سے کیا ہے اس کو ہر قیمت پر پورا کرو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کا دفاع کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام لیکن اگر یہ تمہارا خیال ہے کہ کسی مرحلہ پر بھی تم ان سے دست کش ہو جاؤ گے اور انہیں بے یارو مددگار چھوڑ دو گے تو آج ہی ان سے دستبردار ہو جاؤ کیونکہ وہ اپنی قوم اور شہر میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی۔ انصار نے جواب دیا اے عباسؓ! جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا، یا رسول اللہ ﷺ اب آپ ارشاد فرمایئے اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو شرائط آپ نے پسند فرمائی ہیں وہ ہم سے منوا لیجئے"۔

حضور اکرم ﷺ گویا ہوئے۔ سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ نے آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے احکام کی اطاعت کی ترغیب دی، پھر دین اسلام کی بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور انہیں شوق دلایا کہ ان کو وہ دل سے تسلیم کرلیں پھر فرمایا۔

''میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور اپنے لئے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم میرا ہر اس دشمن سے دفاع کرو گے جس سے تم اپنی مستورات اور اولاد کا اور جانوں کا دفاع کرتے ہو''۔

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھٹ عرض کی ''فَاِذَا فَعَلْنَا فَمَا لَنَا'' اگر ہم ان شرطوں کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں جنت ملے گی۔

''قَالُوْا رَبِحَ الْبَیْعُ وَلَا نَقِیْلُ وَلَا نَسْتَقِیْلُ''

''عرض کرنے لگے یہ سودا بڑا نفع بخش ہے نہ ہم خود اس کو توڑیں گے نہ کسی کو توڑنے دیں گے''

حضرت براء بن معرور نے آگے بڑھ کر حضور کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کی ہاں اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم حضور کا دفاع کریں گے ہر اس چیز سے جس سے ہم اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں، یا

رسول اللہ ہماری بیعت لیجئے۔ بخدا ہم جنگوں اور ہتھیاروں کی اولاد ہیں اور یہ چیز ہمیں اپنے بزرگوں سے ملی ہے۔

ابوالہیثم بیچ میں بول اٹھے۔ میرے حضور ﷺ ایک عرض میری بھی سنئے۔ اے اللہ کریم کے پیارے رسول کریم ﷺ ہمارے یہودیوں کے ساتھ بڑے مضبوط دوستانہ تعلقات ہیں جن کو آج ہم توڑ رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہ کر چکیں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرما دیں تو آپ اپنی قوم کے پاس لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ دیں یہ درد فراق ہم سے برداشت نہیں ہوگا۔

اپنے جانثار ابوالہیثم کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی فرمایا میری پناہ تمہاری پناہ میری حرمت، تمہاری حرمت۔ میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم صلح کرو گے میری اس کے ساتھ صلح ہوگی۔

قلعہ بنی سالم وعوف کے عباس بن عبادہ بن نضلہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور کہنے لگے۔

"اے گروہ خزرج! کیا تمہیں علم ہے کہ تم کس بات پر اس ہستی کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے ہو۔ انہوں نے کہا نعم! ہمیں اچھی طرح علم ہے ۔ عباس بن عبادہ نے کہا تم اس بات پر بیعت کر رہے ہو کہ تم ہر سرخ اور سیاہ انسان کے ساتھ جنگ کرو گے اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ جب مصیبتیں تمہارے مال ومتاع کو نیست و

نابود کردیں اور قتل وخونریزی تمہارے روٗسا کا خاتمہ کردے اس وقت تم انہیں ان کے دشمنوں کے حوالے کردو گے تو ابھی پیچھے ہٹ جاؤ۔ بخدا اگر ایسا کرو گے تو دنیا میں بھی ذلیل ہو گے اور قیامت کے روز بھی رسوا ہو گے۔ اور اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ تم ہر قیمت پر اس معاہدہ کو پورا کرو گے خواہ مصیبتیں تمہارے مال ومتاع کو تہس نہس کردیں اور قتل وخونریزی تمہارے دلوں کا قلع قمع کردے اس کی تم کوئی پروا نہیں کرو گے تو پھر آگے بڑھو ان کو لے لو۔ بخدا اس میں دنیا آخرت کی ساری بھلائیاں ہیں سب نے یک بیک جواب دیا کہ مال کی تباہی و بربادی اور اپنے سرداروں کی قتل وخونریزی کے باوجود ہم ان کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ پھر ان لوگوں نے حضور سے گزارش کی کہ ہمارے اس ایثار اور قربانی کا اجر ہمیں کیا ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ سب نے عرض کی دست مبارک کھولئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک کھولا اور سب نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف عظیم حاصل کیا"۔

بیعت کرتے وقت انصار کے جذبات، ایثار و وفا کی عکاسی کرتے ہیں، جو کہ سرمایہ حیات ہیں۔ (۱۱)

۱۔ بیعت کرتے وقت ابوالہیثم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔

۲۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتا ہوں جس پر بارہ حواریوں نے عیسیٰ بن مریم کی بیعت کی تھی۔

۳۔ اسعد بن زرارہ نے گزارش کی۔

"یارسول اللہ! میں اللہ عزوجل کی بیعت کرتا ہوں پھر آپ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ میں اپنا عہد وفاداری پورا کروں گا اور آپ کی نصرت کے سلسلے میں اپنے قول کی اپنے عمل سے تصدیق کروں گا۔

۴۔ نعمان بن حارثہ نے عرض کی۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے قریبی اور دوروالے کی ذرا پرواہ نہیں کروں گا۔

۵۔ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کے معاملہ میں میں کسی ملامت کرنے والے کی ذرا پروا نہیں کروں گا۔

۶۔ السعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں

اور حضور ﷺ سے بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا اور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کذب بیانی نہیں کروں گا۔

جن امور پر حضور ﷺ نے بیعت لی، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھرائیں گے۔ چوری نہیں کریں گے بدکاری سے دور رہیں گے۔ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ جھوٹا الزام نہیں لگائیں گے۔ کسی بھی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اسی طرح بیعت عقبہ ثانی میں حضور اکرم ﷺ نے ان امور پر بیعت لی۔ میری بات سنو گے خوشی میں اور افسردگی کی حالت میں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تنگ دستی میں بھی اور فارغ البالی میں بھی، نیکی کا کام کرو گے اور برائی سے محفوظ رہو گے، اللہ تعالیٰ کے لئے گفتگو کرو گے، کسی بھی ملامت کی پروا نہیں کرو گے، جب تمہارے پاس آؤں گا تو میری مدد کرو گے، میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی جانوں اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کا دفاع کرتے ہو۔ اگر تم بیعت کو نبھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

اگر دیکھا جائے تو کسی بھی شخص کا کلمہ پڑھنا یعنی زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا اسلام میں داخل ہونے کے لئے کافی ہے۔ جب وہ شخص ایمان قبول کرتا ہے تو اس کے اوپر اسلام کے احکامات لاگو ہوتے ہیں جن کو وہ بجالائے۔ اگر اس میں کوئی کمی وبیشی کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ

اور بیعت عقبہ ثانی میں رسول اکرم ﷺ نے جن امور پر بیعت لی ان میں کچھ امور ایسے ہیں جن کا تعلق صرف رسول اکرم ﷺ ہے یعنی میری بات کو سنو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم اپنی جانوں اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کا جس طرح دفاع کرتے ہو اس ہی طرح میری حفاظت کرو گے اگر تم بیعت کو نبھاؤ گے تو جنت ملے گی اگر ان سب باتوں میں سے ایک بات بھی چھوڑتے ہو تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ مگر دیگر امور قابل غور ہیں جن پر حضور ﷺ کا بیعت لینا اس کی اہمیت واضح کرنے کیلئے کافی ہے۔ عام مسلمانوں کو ان نیک امور کی طرف راغب کرنے اور ان امور سے بچنے کی تلقین کرنے کیلئے جن کا ذکر حضور ﷺ نے فرمایا، اولیاء و صوفیاء کی بیعت کی جاتی ہے اور یہ محمود و مطلوب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

المراجع

(۱) سردلبراں، ذوقی شاہ صاحب

(۲) شریعت وطریقت، مولانا اشرف علی تھانوی

(۳) روحانیتِ اسلام، واحد بخش سیال

(۴) فاضل بریلوی اور امور بدعت، سید فاروق القادری

(۵) فتاوی رضوی، جلد ۲۶، صفحہ نمبر ۲۱۰

(۶) سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۱۵۱۔

(۷) کلیاتِ اقبال

(۸) ضیاء النبی، جلد ۲، صفحہ نمبر ۵۲۶

(۹) ضیاء النبی، جلد ۲، صفحہ ۵۳۲

(۱۰) ضیاء النبی، جلد دوم، صفحہ ۵۳۸

(۱۱) ضیاء النبی، جلد دوم، صفحہ ۵۸۰

☆☆☆☆☆☆
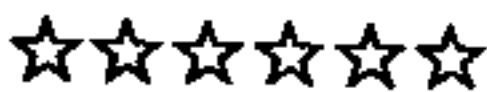
باب دوم

☆......بیعت، قرآن مجید کی روشنی میں

☆......بیعت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

بیعت، قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن مجید کی بہت سی آیات صراحتاً بھی اور اشارۃً بھی بیعت اور ضرورتِ شیخ پر دلالت کرتی ہیں۔ آیئے چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ رب ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝۔ (۱۲)

اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام کیا

امام رازی، تفسیر کبیر (۱۳) میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت میں صراط مستقیم پر اکتفا میں کہا بلکہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ فرمایا (یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے نعمتیں نازل فرمائیں۔) فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ مرید، ہدایت حاصل کرنے کے لئے شیخ و راہنما کی اتباع کرے۔

لہذا ایسے کامل کی ضرورت ہے جو ناقص کی رہنمائی کرے۔ بس اسی کو بیعت کہا جاتا ہے۔

دوسری آیت:

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمانِ خداوندی ہے۔

"كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا

لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ٥ (۱۴)

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تم کو پڑھ کر سناتا ہے ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۵) فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یعلمکم کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے اور دوسری بار اس کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ علم کتاب و حکمت کے علم کے علاوہ ایک الگ نوعیت کا علم ہے اور غالبا اس سے مراد وہ علم ہے جو قرآن کے باطن اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا حصول بوجہ تعلیم نہیں بلکہ بذریعہ انعکاس ہے۔ یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل کے آئینے پر منعکس ہوں۔ اولیائے کاملین جو انوار نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ اپنے مریدان باصفا پر اس قسم کے علوم اور معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ اس آیت میں علم طریقت سیکھنے کی طرف راہنمائی فرمائی گئی ہے۔

تیسری آیت:

ترجمہ: اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو جیسا کہ حق ہے اس کو پہچاننے کا جب کہا انہوں نے کہ نہیں نازل کی اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز۔ پوچھو کس نے نازل کی تھی وہ کتاب جو لے کر آئے تھے موسیٰ جو روشنی اور ہدایت تھی لوگوں کے لئے جسے

کرر کھا ہے تم نے ورق ورق دکھاتے ہو اس کا کچھ حصہ اور چھپا جاتے ہو بہت کچھ اور سکھائی گئی تم کو وہ باتیں جو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے آباؤ اجداد کہو اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دو ان کو کہ اپنی کج بحثی میں کھیلتے رہیں۔(۱۶)

علامہ قطب الدین رازی علیہ الرحمہ کشاف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اتباع سے مقصود اخلاق فاضلہ اور صفات کاملہ میں انبیاء کی موافقت کرنا ہے لہذا انبیاء کے بعد ان کے جانشینوں کی اتباع کرنے کا حکم اس آیت سے ملتا ہے کیونکہ اس کام میں مشائخ بھی برابر کے شامل ہیں بیعت میں ایسے لوگوں کی اتباع کی جاتی ہے جو واصل الی اللہ ہوں۔(۱۷)

چوتھی آیت:

ترجمہ: یہ (معبود) جن کو پکارتے ہیں یہ لوگ وہ خود تلاش کرتے ہیں اپنے رب تک پہنچنے کا ذریعہ کہ کون ان میں سے (اس) کا مقرب ہوتا ہے اور امیدوار رہتے ہیں اس کی رحمت کے اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔ بے شک عذاب تیرے رب کا ہی ہے ڈرنے کے لائق۔(۱۸)

اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں اللہ کے مقبول بندوں کا وسیلہ ہونا بھی ظاہر کیا گیا ہے یہاں غیر کی عبادت سے منع کیا گیا، لیکن وسیلے پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کیلئے اولیائے کرام علیہم الرحمہ کا وسیلہ تلاش کرنا چاہئے، اور وہ

طریقہ بیعت کے علاوہ کوئی نہیں۔

پانچویں آیت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (۱۹)

(پیروی کرو اس شخص کی راہ کی جو رجوع کرتا ہے میری طرف)

اس فرمان میں سوائے اتباع شیخ کے اور کچھ مراد نہیں لی جاسکتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ اگر تم شیر بھی ہو تو جس راہ پر بغیر مرشد کے چلو گے لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جاؤ گے۔ اپنے مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرنا تاکہ تمہیں اپنے شیخ کی مدد اور لشکر کا علم ہو جائے۔ مذکورہ بالا راہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی راہ ہے اور اسی کو مذہب اہلسنت والجماعت کہتے ہیں۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ ایمان لائے تو مکہ کے وہ لوگ جو فہم وفراست اور کاروباری مہارت میں مکہ کے بڑے آدمیوں میں شمار ہوتے تھے بھی ایمان لے آئے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور صحبت میں سرشار رہتے ہیں آیت میں ان کی پیروی کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں آکر بڑے بڑے سیاہ کار اور بڑے گناہگار لوگ بھی اصلاح حاصل کر لیتے ہیں۔ بیعت بھی ایسے لوگوں کی اتباع کا نام ہے۔

چھٹی آیت:

ترجمہ: یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، اتارا اس نے اطمینان کو ان پر بطور انعام۔ (۲۰)

ساتویں آیت:

ترجمہ: ''اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تا کہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی۔ اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو اے میرے محبوب انہیں بیعت فرما لیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ (۲۱)

آٹھویں آیت:

(ترجمہ) یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے سال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر۔ (ایمان والو) پس خوشیاں مناؤ اپنے سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور

یہی تو سب سے بڑی سعادت مندی ہے۔(۴۲)

نویں آیت:

ترجمہ: (اے جانِ عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔(۴۳)

دسویں آیت:

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا" (۴۴)

ترجمہ: بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرے، اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا ظالم ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی سورۃ الاحزاب کی اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جو امانت زمین اور آسمان قبول نہ کر سکے اس کو انسان نے بخوشی قبول کر لیا اس امانت سے مراد احکام شریعہ کی بجا آوری نہ تھا کیونکہ عبادت کرنے پر تو فرشتے اور

دیگر مخلوقات بھی مامور ہیں تو انسان میں اس عبارت کو بجا لانے کی فضیلت کیا ہوئی۔ فرماتے ہیں وہ امانت جو انسان کے سوا کسی نے قبول نہ کی وہ "نورالعقل" اور "نارالعشق" ہے۔ نورالعقل سے انسان استدلال قائم کرتا ہے اور عقلی دلائل پیش کر کے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے جب کہ نارالعشق، انسان کے دل میں عشق کی وہ آگ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہر قسم کے حجابات کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور بندے کو اکمل اور مکمل معرفتِ الٰہی تک پہنچا دیتی ہے جس کو عالم روحانیت میں مشاہدہ کہا جاتا ہے اس امانت کے باعث انسان تجلیات ذاتِ الٰہیہ کو قبول کر لیتا ہے جب پردے اٹھ جائیں تو طالب اور مطلوب کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں ہوتا۔ خدا کی معرفت عامہ تو نورالعقل سے حاصل ہوتی ہے مگر معرفت ذاتیہ نورالعقل کے ساتھ نارالعشق کے جمع ہونے سے وابستہ ہے۔ یہی وہ آگ ہے جو کسی شیخ سے ذکر حاصل کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور جو حجابات کو اٹھا دیتی ہے اور بندے کو آقا کے سامنے بے حجاب کر کے واصل باللہ کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان صفات کا پیدا ہونا شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔

بیعت، احادیث کی روشنی میں:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے بیعت لی، کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی جہاد میں ثابت قدمی پر، کبھی ارکان اسلام کی پیروی پر، کبھی سنت نبوی کے تمسک پر اور بدعت سے بچنے پر، کبھی عبادات پر حریص اور

عبادت کے شائق ہونے پر، کبھی محتاج مہاجرین سے اس بات پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں، کبھی انصار عورتوں سے اس بات پر کہ میت پر نوحہ نہ کریں، وغیرہ۔ آیئے چند روایات ملاحظہ کرتے ہیں۔

(۱)......حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو غزوہ بدر میں شریک تھے اور بیعت عقبہ والوں میں ایک نقیب تھے کہ شمع رسالت کو پروانوں سے جھرمٹ میں لیا ہوا تھا اور آپ نے ان سے فرمایا مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے۔ چوری نہیں کرو گے۔ زنا نہیں کرو گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ جانتے بوجھتے کسی پر بہتان نہیں باندھو گے۔ اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ تم میں سے جس نے یہ عہد پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اور جو ان میں سے کسی کے اندر مبتلا ہو جائے اور دنیا میں اس کی سزا ملی تو وہ اس کا کفارہ ہو گا اور جو ان میں سے کسی بات میں پڑا پھر اللہ نے اس پر پردہ ڈالے رکھا تو وہ اللہ کے سپرد ہے کہ چاہے معاف فرمائے اور چاہے اسے سزا دے (حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ) ہم نے اس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ (۲۵)

(۲) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے

اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ سے بیعت کریں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اس کو مسلم، ابوداؤد ونسائی نے روایت کیا ہے۔ (۲۶)

(۳) حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے بیعت کے وقت یہ عہد لیا کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنے اوپر لازم پکڑیں۔

(۴) انصار سے بیعت لیتے وقت آپ ﷺ نے یہ شرط لی کہ نہ ڈریں کسی ملامت گر کی ملامت سے اور جہاں رہیں حق بات بولیں۔ (مناقب انصار بخاری)

(۵) حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد میسب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ ان لوگوں سے تھے جنہوں نے اس درخت کے نیچے سرور عالم سے بیعت رضوان کی تھی۔ (۲۷)

(۶) طارق بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کونسی مسجد ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ درخت ہے جس کو بیعت رضوان والا کہتے ہیں۔ (۲۸)

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا۔ لوگو! سنو۔ اللہ کے رسول ﷺ پر جبرائیل امین نازل ہوئے، اور لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے

کر نکلو اور آ کر بیعت کرو۔(۲۹)

(۸) حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے اس شرط پر بیعت کی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے یا فتح حاصل کریں گے یا شہادت کا تاج پہنیں گے۔(۳۰)

(۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں سے بیعت لی پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے دست مبارک پر رکھا اور فرمایا میں یہ بیعت عثمان کی طرف سے کر رہا ہوں(۳۱)

(۱۰) حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا۔ یا رسول اللہ میں اپنے بھائی کو لے کر آپ کی بارگاہ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اس سے ہجرت پر بیعت لے لیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہجرت کا ثواب تو مہاجرین نے لوٹ لیا۔ میں نے عرض کی پھر آپ کس چیز پر اس سے بیعت لیں گے۔ فرمایا اسلام۔ ایمان اور جہاد پر(۳۲)

ا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ میں شرکت کی، پس ہم نے اس بات کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے ہم چوری نہیں کریں گے ہم بدکاری نہیں کریں گے ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اور نہیں لگائیں گے جھوٹا الزام جو

انہوں نے گھڑ لیا ہوا اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے کسی نیک کام میں۔(۳۳)

قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے اور احادیث رسول کریم ﷺ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے قرآن وحدیث میں شریعت طریقت حقیقت سب کچھ موجود ہے اور سب سے آسان مسائل شریعت ہیں۔ اگر کوئی عالم دین یا امام مجتہد شرح نہ فرمائے تو ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اور لوگ ان مسائل کو سمجھنے سے عاجز رہتے۔ عام لوگ ہرگز کتابوں سے احکام نکال لینے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو بار بار غلطی کریں گے۔ جس نے دامن ہادی ہاتھ سے چھوڑا وہ شخص تباہ و برباد ہو گیا۔

حضرت امام عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی میزان شریعۃ الکبری میں فرماتے ہیں۔ ''اگر رسول اللہ ﷺ قرآن کے اجمال کی اپنی شریعت سے تفصیل نہ فرماتے تو قرآن اپنے اجمال پر باقی رہتا اور اگر ائمہ مجتہدین حضور ﷺ کی سنت کے اجمال کی تفصیل نہ کرتے تو سنت اپنے اجمال پر باقی رہتی۔ جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن نفس میں بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں کہ وہ بغیر شیخ عارف کے سمجھ میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں آ بھی جائیں تو ان کا علاج معلوم نہیں ہوتا۔ نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ہی ضرورتوں کے لئے کوئی ایسا شخص تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں اور ضرورتوں سے آگاہ ہو اور دوسروں کو

ان کا علاج وتدبیر بتلائے۔ کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ شیخ کو بصیرت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہوتا ہے اور ان معاملات سے گزر چکا ہوتا ہے۔ بار بار تجربہ ہونے سے اس کو بھی پوری بصیرت حاصل ہوگئی ہوتی ہے۔ وہ ہر طرح کے حالت سے واقف ہوتا ہے۔ کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے۔ اگرچہ کوئی شخص اپنی حالت سے بخوبی واقف ہو لیکن اپنی تشخیص سے اطمینان نہیں ہوتا۔ پوری پہچان اسی کو ہے جس کے ساتھ اللہ رب العزت کی مدد اور نصرت ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی شخص عالم فاضل ہو، طب کی کتابیں بھی پڑھی ہوئی ہوں لیکن کسی طبیب حاذق کے پاس مشق نہ کی ہو۔ اور وہ علاج محض کتابی نسخوں سے کرنے لگے تو خطرے کا باعث نہیں تو کیا ہے۔ اگر منزل کا پتہ معلوم نہ ہو تو پھر کسی رہبر کا ہاتھ پکڑ کر راستہ چلنا پڑتا ہے۔ ویسی ہی حالت اس راستہ کی ہے کہ کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا، کسی رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا ضروری ہے کوئی کمال بغیر استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہ طریقت میں آنے کی توفیق ہو تو استاد طریقت کو ضرور تلاش کرنا چاہیے جس کے فیضِ تعلیم و برکتِ محبت سے مقصودِ حقیقی تک پہنچے۔ (۳۴)

گر ہوائے ابن سفر داری دِلا ۔۔۔ دامن رہبر بگیر و پس بیا

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق ۔۔۔ عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

ترجمہ: اے دل! اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کے چلو۔ اس لئے کہ جو

بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

حضرت روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو　　　　بے قلاوہ اندریں صحرا مشو (۳۵)

یعنی راستے کے لئے کوئی رفیق ساتھ لے لو۔ تنہا اس راستے کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو کیونکہ تم تنہا اس کو قطع نہیں کر سکتے۔

☆☆☆☆☆☆
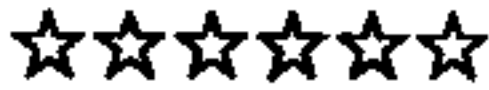
المراجع

(۱۲) سورۃ الفاتحہ

(۱۳) تفسیر کبیر، جلد نمبر (۱) صفحہ نمبر ۵

(۱۴) سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۵۱

(۱۵) تفسیر مظہری، جلد نمبر ۲،

(۱۶) سورۃ الانعام، آیت نمبر ۹۱

(۱۷) ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ، جلد نمبر ۲۔

(۱۸) سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۵۷

(۱۹) سورۃ لقمٰن، آیت نمبر ۱۵

(۲۰) سورۃ الفتح، آیت نمبر ۱۹،

(۲۱) سورۃ الفتح، آیت نمبر ۱۲

(۲۲) سورۃ الفتح، آیت نمبر ۱۱۱

(۲۳) پارہ نمبر ۲۶، آیت نمبر ۱۰

(۲۴) تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ

(۲۵) بخاری شریف، جلد اول، نمبر ۱۱۲

(۲۶) مسلم شریف، جلد اول، نمبر ۱۲۰

(۲۷) بخاری مناقبِ انصار،

(۲۸) بخاری شریف، فضائل عمر

(۲۹) بخاری شریف، باب صلح حدیبیہ

(۳۰) بخاری، فضائل عثمان

(۳۱) بخاری کتاب المناقب

(۳۲) بخاری، باب فتح مکہ

(۳۳) ضیاء النبی

(۳۴) بیعت وخلافت، شاہ احمد رضا خان بریلوی

(۳۵) مثنوی، الفیصل ناشران

☆☆☆☆☆☆☆

باب سوم

☆......ضرورتِ شیخ، قرآن مجید کی روشنی میں

☆......ضرورتِ شیخ، اقوالِ مشائخ کی روشنی میں

☆......ضرورتِ شیخ اور صوفی شعراء

ضرورتِ شیخ، قرآن مجید کی روشنی میں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تا کہ تم خلاصی پاؤ۔

اس آیت شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ وسیلہ کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی جیسا ایمان اور تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کو ضروری فرمایا ہے۔ ویسے ہی وسیلہ کا پکڑنا بھی ایک ضروری امر قرار دیا ہے بلکہ نجات کا دارومدار ہی ان چار چیزوں پر رکھا ہے۔ ایمان ہو، اتقا ہو، جہاد ہو، اور اس کے قرب کو حاصل کرنے کے واسطے وسیلہ بھی ہو، جب تو نجات ہے ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور اس پر نہایت درجہ کی عنایت و مہربانی ہے۔ باوجود ایسے تعلق والطاف کے پھر بھی ہدایت کا ذریعہ رسولوں اور انبیاء ہی کو ٹھہرایا۔ کیونکہ قدرت نے جہاں اور کائنات کو بغیر قواعد کے نہیں چھوڑا وہاں ہدایت کے محکمہ میں بھی ایسے قواعد جاری فرمائے ہیں کہ ان کی پابندی کے بغیر ہدایت کے سلسلہ کا جاری رہنا محال ہے۔ رسول، خالق اور مخلوق کے مابین برزخ ہوتا ہے اور اس کو دونوں طرف تعلق ہوتا ہے۔ دل اس کا خداوند کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم مخلوق کے ساتھ۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

اس برزخ کا یہ کام ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کی رضا پر ثابت ہونے کی ہدایت کرے۔ عبادت کے قاعدے سکھائے اور خداوند تعالیٰ اور بندوں کے معاملات میں جو بندوں کی سیہ کاریوں کی وجہ سے پیچیدگیاں واقع ہوگئی ہوں ان کو دور کر کے معاملات صاف کردے۔ عہد رسالت کے بعد یہ خدمت خلافت کو سپرد ہوئی۔ جس کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء نے بڑی محنت سے نباہا اور قیامت تک یہی خلفاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس خدمت کو سرانجام دیتے رہیں گے۔ اسی گروہ کو گروہ صوفیاء کرام پیران عظام یا مرشدان کامل کہا جاتا ہے۔ یہی فرقہ خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہے۔ یعنی قرب الٰہی کے حاصل کرنے کے واسطے ان پیران عظام میں سے کسی ایک کو وسیلہ پکڑنا طالبان حق کے لئے ضروری بلکہ فرض ہے۔

آیت مذکور کی تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے والد ماجد سے نقل کر کے وسیلہ سے مراد ذات مرشد لی ہے اور جن لوگوں نے لفظ وسیلہ کے معنی قرآن شریف یا ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کیے ہیں۔ ان کو شاہ صاحب یوں جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس آیت میں مومنوں کو خطاب کر کے وسیلہ کی تلاش کا حکم فرمایا ہے اور کوئی شخص جب تک قرآن شریف اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا۔ یعنی مومن وہی ہے جو قرآن

پاک اور رسول ﷺ کو دل سے حق مان چکا ہوگا۔ پس وہ وسیلہ کوئی اور وجود ہوگا جس کی تلاش کا بندوں کو قرآن اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد حکم فرمایا ہے اور وہ مرشد کی ذات ہے جو بندے کو مولا سے واصل کر دیتا ہے۔ شریعت پر چلنے کا لوگوں کو حکم کرتا ہے۔ بدی سے روک کر لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اگر چہ ہادی حقیقی خدا کی ذات ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت کرے۔ مگر یہ بھی اس حکیم کی حکمت ہے کہ دنیا کو عالم اسباب بنا کر ہر ایک چیز کو سلسلہ اسباب میں ایسا پابند کر دیا کہ جیسے کوئی بچہ بغیر ماں باپ کے پیدا نہیں ہوتا اسی طرح پیر اور مرید کے تعلق کے بغیر کوئی طالب حق خدا سے واصل نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب تک کوئی پیر کامل دستیاب نہ ہو ہدایت کا حاصل ہونا محال ہے۔ یہی قاعدہ دنیا کی ہر ایک چیز پر جاری ہے۔ حضرت مولانائے روم فرماتے ہیں۔

ہیچ کس از نزد خود چیزے نشد
ہیچ آہن خنجر تیزے نشد!!
ہیچ حلوائی نہ شد اُستاد کار
تا شاگرد شکر ریزے نشد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

دوسری جگہ مولانائے روم فرماتے ہیں

پیر راہگوین کہ بے پیر ایں سفرا
ہست بس پر آفت و خوف و
خطر(۴۷)

مرشد ایسا ہونا چاہیے جو خود کسی ایسے سلسلہ پیران میں داخل ہو جو سلسلہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہو۔ جیسے تسبیح کے دانے ایک دوسرے سے مل کر ایک سلسلہ کا حکم رکھتے ہیں اور سب ایک ہی امام کے پیچھے ہوتے ہیں یا زنجیر کے حلقے جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں یا جس طرح ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن کیا جاتا ہے اور اس دوسرے چراغ سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا یہاں تک کہ اگر ایک ہزار چراغ بھی اس سلسلہ سے روشن کیا جاوے تو ہزار ویں چراغ کی روشنی میں بھی یہ عام انتقال کمی پیدا نہیں کر سکتا۔ یعنی اس چراغ میں بھی وہی نور پایا جائے گا۔ جو پہلے چراغ میں تھا۔ اسی طرح سے آپ سلسلہ صوفیائے کرام علیہم الرحمہ کو بھی تصور کر لیں کہ سیدنا جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور، سینہ در سینہ پیران عظام کے سینوں میں منتقل ہو کر آیا ہے۔ صوفیاء کرام کے بغیر اس نور عرفان کا حاصل ہونا محال ہے۔ اس مضمون کی تائید میں "تفسیر روح البیان" کی مندرجہ ذیل عبارت کافی شہادت ہے۔

"وَاعْلَمْ اَنَّ الْاٰیَۃَ الْکَرِیْمَۃَ صَرَّحَتْ بِالْاَمْرِ بِابْتِغَاءِ الْوَسِیْلَۃِ وَلَا

بُدَّ مِنهَا اَلْبَتَّۃَ فَاِنَّ الْوَصُوْلَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَحْصِلُ اِلَّا بِالْوَسِیْلَۃِ وَھِیَ عُلَمَآءُ الْحَقِیْقَۃِ وَ مَشَائِخُ الطَّرِیْقَۃِ(قَالَ الْحَافِظُ)

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہی خضر مکن

ظلماتست بترس از خطر گمراہی

وَالْعَمَلُ بِالنَّفْسِ یَزِیْدُ فِیْ وُجُوْدِھَا، وَاَمَّا الْعَمَلُ وَفْقَ اِشَارَۃِ الْمُرْشِدِ وَدَلَالَۃِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْلِیَآءِ فَیَخْلُصُ مِنَ الْوُجُوْدِوَ یَرْفَعُ الْحِجَابُ وَیُوْصِلُ الطَّالِبُ اِلٰی رَبِّ الْاَرْبَابِ

ترجمہ۔یعنی واضح رہے کہ اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے طلب کرنے کی صاف طور سے تصریح کی ہے جس سے ہرگز چارہ نہیں ہوسکتا۔کیونکہ وصول الی اللہ بغیر وسیلہ کے ممکن نہیں اور وسیلہ سے علماء حقیقت اور مشائخ طریقت مراد ہیں اور نفس کی رائے پر عمل کرنا اس کے وجود کو زیادہ کرتا ہے۔لیکن مرشد کے حکم اور انبیاء اور اولیاء کی دلالت پر عمل کرنے سے نفس اپنے اخلاق ذمیمہ سے خلاصی حاصل کرلیتا ہے اور حجاب دور ہوجاتے ہیں اور طالب،رب الارباب کے ساتھ واصل ہوجاتا ہے۔(۳۸)

قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝(۳۹)

ترجمہ:۔اے ایمان دارو۔تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور قرآن آیا۔

پس قرآن شریف تو ہم علماء ظاہر سے سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ نور عرفان پیران عظام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس واسطے کسی پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہوا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۝ (۳۰)

ترجمہ:۔ ہم نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول ﷺ بنا کر بھیجا۔ وہ ان پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن مجید اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت میں تین چیزوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک تو آیات کا پڑھنا۔ دوسرا لوگوں کو پاک بنانا۔ تیسرا کتاب اور حکمت سکھانا۔ تو دل کو پاک کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم ایسے شیخ کی تلاش کریں اور اس کی خدمت میں حاضر ہوں جس کا سینہ نور عرفان سے منور ہو اور کسی پیر کی توجہ سے پاک وصاف ہو چکا ہو۔ دنیا میں چندروزہ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا نمونہ پیش نظر رکھے جو ہر کام میں اس رہنمائی کا نمونہ ہو، تا کہ کل اُمور دینی و دنیاوی میں اس کی تقلید کرے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ اعمال اس کو دیکھ کر بجا لا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کارخانہ قدرت میں ہزار ہا امراض پیدا کئے ہیں اور ان کے علاج کے واسطے ہزار ہا ذرائع صحت مقرر کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر میں صد

یا طبیب وڈاکٹر وغیرہ موجود ہیں۔ تو قرین قیاس ہے کہ روحانی اور باطنی بیماریوں کے واسطے بھی ڈاکٹر اور حکیم مقرر کئے ہوں گے۔ ایسے ڈاکٹر یا طبیب خدا رسیدہ لوگ ہوتے ہیں جو پیر یا مرشد کے نام سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ ان روحانی اطبا کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے اب تک برابر جاری چلا آیا ہے۔ پس ہم کو اپنے روحانی امراض کا علاج روحانی طبیبوں سے ہی کرانا چاہیے۔ قرآن پاک میں ہے:

كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥(٣١)

ترجمہ: "گناہوں کی شامت سے ان کے دلوں پر زنگ لگے ہوئے ہیں"۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہی کا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب کوئی دوسرا گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو دوسرا نقطہ پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کثرتِ گناہ کے ساتھ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر کوئی وعظ یا کلام اثر نہیں کرتا۔ جب زنگ زیادہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ نہ تو علم سے دور ہو سکتا ہے اور نہ وعظ سے بلکہ علماء ظاہر بھی اس زنگ کو دور کرنے سے عاری ہیں۔ اس کو صیقل کرنے کے لئے کسی مرشد کامل کی توجہ درکار ہے۔ جو اپنی باطنی توجہ سے اس زنگ کو دور کر کے دل کو نورانی اور روشن بنا دے۔ مولانا غنیمت کنجاہی کا قول ہے۔

اے کہ بے پیر تا پیر تو نباشد

ہوائے معصیت دل مے خراشد

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کو علم لدنی سیکھنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ قصہ قرآن پاک کے پارہ پندرہ کے اخیر میں موجود ہے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم لدنی سے بے خبر تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے، لڑکا مار ڈالنے اور دیوار بے اجرت بنانے کے اسرار پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کرتے گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام بار بار اعتراض سے منع فرماتے گئے۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اعتراض سے باز نہ آئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ آپ اعتراض سے باز نہیں آتے، اس واسطے آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ بَيْنِكَ (پ ۱۶، ع ۱) کہہ کر رخصت کر دیا۔

دین کا دارومدار اور نجات کا، محبت حضرت رسول ﷺ پر رکھا گیا ہے۔ وہ محبت نہ تو کتابوں میں مل سکتی ہے اور نہ علماء ظاہر سے، اس کے حاصل ہونے کے واسطے پیر کامل کی صحبت ضروری ہے۔ یہ محبت کا سبق اُستاد روحانی کے سوا کوئی دوسرا پڑھا نہیں سکتا۔

عقل کے مدرسے سے اُٹھ عشق کے میکدہ میں آ
جام فنا و بیخودی ہم نے پیا جو ہو سو ہو
مدرسوں میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو
اس کا پہلا ہی سبق یار و فنا فی اللہ ہو

قرآن پاک میں وارد ہے۔

"یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ o وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ" (۴۲)

ترجمہ:۔ "قیامت کے دن ہر ایک آدمی اپنے بھائی، ماں باپ اور بیٹی بیٹے سے بھاگ جائے گا۔"

ہر ایک اپنے حال میں گرفتار ہوگا۔ سب رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر پیر اور مرید کا رشتہ ہے کہ وہاں بھی قائم رہے گا۔ یہ رشتہ روز اول سے مقرر ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

"الاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْھَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْھَا اِخْتَلَفَ o" (۴۳)

ترجمہ:۔ "یعنی ارواح ایک لشکر جمع شدہ تھا۔ روز اول میں تمام ارواح (جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گے۔"

ان میں جس جس روح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ان روحوں کی دنیا میں بھی آ کر ضرور محبت ہوگی اور جن روحوں کی وہاں شناخت نہیں ہوئی ان کی دنیا میں آ کر بھی ہرگز محبت نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ دونوں بھائی بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے دن ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، عورت جن کے رحموں کے تعلقات ہیں وہ سب ٹوٹ جائیں گے۔ مگر روحوں کے تعلقات ضرور قائم رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اَلْاَخِلَّاۤءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝"(۴۴)

سب دوست اس دن دشمن ہو جائیں گے۔ مگر وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں وہ اس روز بھی دوست ہی رہیں گے۔

محبت روحانی وہی محبت ہے جو پیر کو مرید کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ محبت روحانی، حشر کے دن ذریعہ نجات ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حشر کے دن کوئی سایہ عرش کے سایہ کے سوا نہ ہوگا۔ اس سایہ میں سات قسم کے لوگوں کو جگہ دی جائے گی۔ جن میں سے دو آدمی وہ ہوں گے جن کی دنیا میں محض اللہ کے واسطے محبت رہی ہو۔ پس اس حدیث کی رو سے پیر اور مرید دونوں زیر سایہ عرش ہوں گے۔ تو ضروری ہے کہ کوئی ایسا پیر اختیار کیا جائے جس کی محبت کے ذریعے سے آفتاب حشر سے امان ملے۔ قرآن پاک میں وارد ہے:

"اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط ۝"(۴۵)

ترجمہ: کیا تو نے اس آدمی کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے"۔

بعض آدمیوں کو کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس محبت میں محو ہو کر خدا کو بھول جاتے ہیں۔ کوئی زر کا طالب ہے کوئی شیدائے زن، کوئی فرزند پر مفتون، کوئی دیوانہ عزت و ثروت، کسی کو زمین سے عشق ہے اور کسی کو گھوڑی

سے، یہ لوگ محبت میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ اصل مطلب ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

عشق بیٹھا ہے دل میں اک بت کا
ہم تو یارو خدا کے بھی نہ رہے

توحید اور معرفت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہ کو خدائے برحق مان کر اس کے ساتھ دل لگایا جائے اور باقی خواہشات نفسانی دل سے دور کردی جائیں۔

دل آرامیکہ داری دل درو بند
دگر چشم از ھمہ عالم فرو بند

بات تو درست یہی ہے کہ دل ماسوائے اللہ سے پاک ہو جائے مگر یہ کام یعنی دنیا کی محبت کا دل سے دور کر دینا آسان کام نہیں ہے۔اس کے واسطے سب سے اول ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا دل دنیا کی محبت سے بالکل سرد ہو چکا ہو پھر اس شخص کی خدمت میں رہنا اور اس کی اطاعت کرنا لازمی ٹھہرایا جائے تو دل دنیا کی محبت سے پاک ہو سکتا ہے۔قرآن پاک میں وارد ہے۔

"اِلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ وَتَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝" (۴۶)

درحقیقت سب نعمتوں سے بڑی نعمت اطمینان قلب ہے اور وہ سوائے ذکر الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مال و دولت، جاہ و ثروت تو دل کی مزید پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔

ع......چہ انکہ غنی تراند محتاج تراند

توحید اور معرفت ذکر الٰہی یا صحبت صوفیا میں، اطمینان کے طالب کو ان لوگوں یعنی صوفیائے کرام کی صحبت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اطمینان قلب انہیں کے حصے میں دے رکھا ہے۔ ان کے سوا کوئی بھی دوسرا اس اطمینان قلب کا دعویٰ نہیں کرسکتا ان کی خدمت اکسیر اعظم ہے۔

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ o''(۴۷)

(ترجمہ) ایماندار وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں۔

اس آیت سے ایماندار کا نشان یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ کی یاد سے اس کا دل متاثر ہو۔ جلال خداوندی اس کے دل کو ڈرا دے ۔ عظمت الٰہی اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ پس ان صفات کا حاصل کرنا مومن بننے کے واسطے ہر ایک آدمی کو ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صفات انہی لوگوں سے مل سکتی ہیں جو خود ان کے مشتاق ہوں اور ان صفات سے متصف ہو چکے ہوں۔ وہ سوائے پیران عظام کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

''مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُو لٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ o''(۴۸)

(ترجمہ) جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لاوے اور عمل نیک کرے تو اس کے سابقہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

اس آیت سے مولا کی اپنے بندوں پر انتہا درجہ کی مہربانی اور عنایت ثابت ہوتی ہے کہ ایک توبہ سے سارے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور توبہ از روئے دیانت تو کافی ہے کہ بندہ خدا کو حاضر جان کر اس کے روبرو اپنے گناہ کا اقرار کرے اور اس سے معافی طلب کرے۔ مگر از روئے شریعت ضروری ہے کہ توبہ کا ایک گواہ بھی ہو۔ چونکہ گواہ کی وقعت پر بڑا دارومدار ہے۔ اس واسطے توبہ کا گواہ ایک کامل مرد خدا ہونا چاہیے۔ اور وہی مرشد ہوتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ٥ (۹)

ترجمہ:۔ اس نفس کو جس نے پاک کرلیا وہ خلاصی پا گیا"۔

اب نفس کے پاک کرنے کے واسطے اس کے اخلاق ذمیمہ کو دور کرنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ نیک اخلاق سیکھے اور نفس بالطبع سختی پسند ہے۔ صلح سے اس کا راہ پر آجانا ممکن نہیں تو کوئی پاک وجود تلاش کرنا چاہیے جس کا نفس پاک ہو چکا ہو۔ اس کی صحبت کو لازم پکڑنا اور اپنی کل خواہشوں کو اس کی خواہش کے ماتحت کر دینا چاہیے۔ نفس اس کی وحشت اور رعب سے دبکا رہے گا اور خباثت کو ظاہر نہ کرے گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اس دوسرے پاک شدہ نفس کی عادات حاصل کرنے لگے گا۔ اس آدمی کو جس کی صحبت میں بیٹھ کر نفس پاک ہوتا ہے۔ مرشد کہتے ہیں اور مرشد کی

جس قدر اخلاق ذمیمہ کے دور کرنے میں ضرورت ہے اس سے زیادہ اخلاق حسنہ کے پیدا کرنے کے واسطے احتیاج ہے۔ غرض شیخ کے بغیر انسان کا نہ تو نفس پاک ہو سکتا ہے اور نہ انسان، انسان بن سکتا ہے۔

"هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۝" (۵۰)

اسم ظاہر کا پرتو (عکس، سایہ) علم ظاہر پر ہوتا ہے اور اسم باطن کا پرتو علم باطن پر۔ علم ظاہر تو علماء ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں مگر علم باطن کہاں سے حاصل کریں۔ وہ علماء باطن سے حاصل ہو سکتا ہے اور وہ لوگ کہ کاشفان اسرار غیب ہیں۔ محرم راز ہیں، اسرار باطنی سے آگاہ ہیں۔ ان کو علماء باطن بھی کہتے ہیں۔

"فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" ۝ (۵۱)

مفہوم: "اور تم کوئی مسئلہ نہ جانتے ہو اور نہ کوئی اور تم کو بتلا سکے تو تم ایسے مسائل اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو"۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ علماء باطن کے سینے میں وہ جوہر ہے جس سے علماء ظاہر و دیگر بنی نوع انسان بے خبر ہیں۔ کیونکہ خداوند نے اس آیت میں اہل علم نہیں فرمایا بلکہ اہل ذکر کا یعنی ارباب باطن کا ذکر فرمایا ہے اور ارباب باطن کے دل نور عرفان اور علم لدنی کے خزانے ہیں۔ ارباب باطن کو ہی پیران طریقت کہا جاتا ہے۔ نفس امارہ کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس کی امارگی سے انبیاء علیہم السلام نالاں ہیں۔ پس نفس جو فطرتاً شریر ہے خود بخود شرارت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

جب تک اس کا باقاعدہ علاج نہ کیا جائے اور اس کو آہستہ آہستہ مطیع نہ بنایا جائے۔ اس کا علاج کرنے والے لوگ، وہی پیران عظام ہیں جن کے علاج سے یہ نفس امارہ لوامہ اور مطمئنہ کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور شرارتیں چھوڑ کر مطیع فرمان بن جاتا ہے۔ اس کا علاج کریں۔ ان کی خدمت غنیمت جاننی چاہیے۔

"تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ"ۚ (۵۲)

ترجمہ:۔"فرشتے اور روح اس کی طرف ایک ایسے دن میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے"۔

اس آیت کے حکم سے راہ سلوک پچاس ہزار سالہ راہ ہوئی جس کو طے کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو اعمال صالح اور دوسرا توجہ شیخ۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ دریا ہے جس کو ہم نے عبور کرنا ہے۔ اس عبور کے دو قاعدے ہیں۔ ایک تو بذریعہ شناوری کے اور دوسرے سیکھنے اور پھر اس دریائے پچاس ہزار سالہ راہ کو عبور کرنے کے واسطے عمر طویل چاہیے اور اس امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کی ہیں اور ساٹھ سالوں میں ہزارہا مشاغل دنیاوی بھی ساتھ ہیں۔ تو ہم کیونکر اس بیکراں سمندر کو تیر کر عبور کر سکتے ہیں۔ ہم کو وہی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی کسی ملاح و کشتی بان کے حوالے اپنے آپ کو کر دیں اور جس طرح سے وہ پار لے جانا چاہیے، ہم اس میں چون و چرا نہ کریں۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ

کسی کا پیداستہ دس سال میں طے ہو جاتا ہے کسی کا بیس سال میں۔ کسی کا ایک سال میں اور کسی کا ایک ماہ میں بلکہ ایک دن ایک گھنٹہ میں بھی طے ہو جاتا ہے۔ مگر عنایت اور توجہ پیر پر سب کچھ موقوف ہے۔

بے عنایات حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ (۵۳)
رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۵۴)
وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (۵۵)

خداوند تعالیٰ نے اول آیت میں کثرت سے ذکر کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری آیت میں اس قدر تاکید فرمائی ہے۔ کہ سودا خریدنے یا بیچنے اور دنیا کے کاروبار کرنے میں بھی ہماری یاد سے غافل نہ ہو جانا چاہیے۔ تیسری آیت میں ذاکرون کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے بے شمار آیتیں قرآن شریف میں ذاکروں کی تعریف میں بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ذکر بڑی نعمت ہے اور اس کا حاصل کرنا موجب رضائے خداوندی ہے۔ یہ کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ اس امر کا فیصلہ میرے پیر و مرشد قبلہ و کعبہ نے نہایت مفصل بیان فرمایا ہے۔

"ذکر نہیں حاصل ہو سکتا جب تک دل نہ ہو اور دل نہیں مل سکتا جب تک پیر نہ ہو اور پیر نہیں مل سکتا جب تک ارادت نہ ہو"۔

اس فیصلہ میں بھی مرید کی طلب اور شیخ کی ضرورت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ذکر کی حلاوت اور اس کے انوار سے ہرگز دل نورانی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی شیخ باقاعدہ ذکر کی تلقین نہ کرے تو شیخ کا ہونا نہایت ضروری ہوا جو کہ دل کو قابل بنادے۔ پھر اس میں ذکر کا بیج بوئے۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ"(۵۶)

ترجمہ:۔"اے ایماندارو ایسا نہ ہو کہ مال اور اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل کردیں"۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے سب سے زیادہ خطرناک رکاوٹیں جو ذاکر کو ذکر الٰہی میں پیش آتی ہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو حبِّ مال اور دوسری حبِّ اولاد، ہم جہاں تک دیکھتے ہیں لوگ اولاد اور مال کی دھن میں کچھ ایسے لگے ہوئے ہیں کہ ذکرِ خدا سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ اس خسارہ سے وہ شخص جو کسی پیر کی صحبت میں رہ چکا ہو خوب واقف ہوتا ہے غفلت چونکہ ایک خوفناک مرض ہے اس لئے اس سے بچنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی مرشد کی تلاش کی جائے۔

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ

اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ o" (۵۷)

اگرچہ مفسرین نے اس آیت میں لفظ امانت کی تفسیر میں بہت سی بحث کی ہے اور مختلف تفسیریں بیان فرمائیں ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ مناسب اس کی تفسیر یہی ہے کہ امانت سے معرفت الٰہی مراد ہے جو صوفیائے کرام کے سینے میں ودیعت ہوئی ہے۔

نخوتے دارند کبرے چوں شہاں
خادمی خواہند از اہل جہاں

وہ امانت یہاں سے حاصل کرنی چاہیے۔

تا نباشی پیش شاں راکع دوتو
کے سپارند آں امانت را بہ تو

یہ علم نیا جاری نہیں ہوا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اسی طرح چلا آیا ہے اور اس کے عالم بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ عالم خدا کی رحمت کے نشان تا دور قیامت زمین پر موجود رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اس علم نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ دنیا کے سب تعلقات چھوڑ کر اسی کی طرف ہو رہے اور رہبان بن کر پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی عمریں گزار دیں۔ لیکن حضور انور حضرت سیدنا محمد ﷺ نے اس کو درجہ اعتدال پر رکھ کر حکم دیا کہ خدا کی یاد میں بندگان خدا کے حقوق کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ اللہ کو یاد کرو دل سے اور مخلوق کی

خدمت کرو جسم سے۔ چنانچہ اب بھی صوفیائے کرام کا یہی دستور العمل ہے۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم تر بود اندر جہاں

اور جس قدر اولیاء اللہ آج تک گزرے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی کی غلامی کر کے اس مرتبہ اعلیٰ کو پہنچے ہیں۔ پس مرتبہ قرب حاصل کرنے کے واسطے کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر جہالت اور گمراہی ہے۔ ہدایت پانے کا یہی طریقہ مقرر ہے اور یہی قیامت تک رہے گا۔

"وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○" (۵۸)

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان نے دل پر پنجہ مارا ہوا ہے۔ جب کوئی آدمی پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ پنجہ دل سے چھوٹ جاتا ہے۔ بعد ازاں جب پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے یا مرید کا خیال پیر کی جانب رہے تب تک اس مرید کا دل اس شیطان کے دخل سے محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ انسان کے سارے جسم کی اصلاح صرف دل کی اصلاح پر موقوف ہے تو لازم ہے کہ کسی پیر کے ساتھ تعلق پیدا کر کے دل کو پنجہ شیطان سے نجات دی جاوے تا کہ دل کی اصلاح ہو جاوے۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○" (۵۹)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادق لوگوں کے ساتھ رہا

کرو"۔

صادقین سے مراد صوفیاء کرام ہیں۔ان کی صحبت میں رہ کر ہم خوف خدا اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔قرآن شریف کی اس آیت میں بھی انہیں لوگوں کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔چنانچہ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ضمن میں مرقوم ہے۔

(مفہوم) کہ پیر صادق وہ لوگ ہیں جو وصول الی اللہ کے طریق کے راہ نما اور ہادی ہیں۔اگر سالک راہ حق ان کے مجلسوں میں داخل ہو جائے اور ان کی تربیت میں داخل ہو جائے تو سیر الی اللہ اور ترک ماسوا کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔

حضرت شیخ الاکبر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے تمام اُمور کو کسی پاک وجود کے امر کے تحت نہ کرے تو تو ہوا و حرص کے جال سے کبھی رہائی نہیں پا سکتا۔ اگر چہ تو ساری عمر اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالے رکھے۔پس اگر تجھے کوئی ایسا وجود مل جائے جس کی تعظیم و تکریم تو اپنے نفس میں پائے تو اس کی خدمت لازم پکڑ اور اپنے آپ کو اس کے سپرد ایسے کر دے جیسے کہ میت غسال (میت نہلانے والے) کے بس میں ہوتی ہے۔وہ جس طرح چاہے تجھ میں تصرف کرے تو اپنی سب تدبیریں چھوڑ دے۔تیرا اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا عین سعادت ہے۔تجھے چاہیے کہ جو وہ امر کرے فوراً اس کی تعمیل کرے اور جس بات سے وہ منع کرے اس سے ہٹ جاوے۔اگر تجھ کو کسب کے لئے حکم کرے تو اس کے حکم سے کسب کرے نہ کہ اپنی

خواہش نفسانی سے، اور اگر تجھ کو کسب کے ترک کرنے کا حکم دے تو اس کے حکم سے ترک کر نہ کہ اپنی مرضی سے۔ کیونکہ وہ تیری بہتریوں کو تجھ سے بہتر جانتا ہے۔ پس اے فرزند! شیخ کی تلاش میں سعی کرو جو تیری رہنمائی کرے اور تجھ کو خواطر نفسانی سے بچائے۔ یہاں تک کہ تیرا نفس پاک ہو جائے۔ (۶۰) (۶۱)

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ٥" (۶۲)

ترجمہ:۔ "اے رسول ﷺ جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ وہ ہماری ہی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اُوپر ہوتا ہے"۔

سلسلہ میں بیعت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی طالب کسی پیر کے ساتھ بیعت کرتا ہے اور پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے۔ تو اس کا ہاتھ سلسلہ میں مسلسل ہو کر جناب رسالت مآب ﷺ کے مبارک ہاتھ میں پہنچتا ہے۔ جب کہ طالب رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے چکتا ہے تو اس آیت کے حکم سے اس کا ہاتھ خدا کے دست قدرت میں جاتا ہے۔ یہ ادنیٰ فائدہ پیر سلسلہ کے ساتھ بیعت کرنے کا ہے۔

"اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ" (۶۳)

ترجمہ:۔ "اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے

اور اگر یہ مرتبہ تجھ کو حاصل نہیں تو یہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو دیکھتا ہے"۔

یہ حدیث شریف صحیح مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔ شریعت میں اس کو علم احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس علم احسان کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی پیر و مرشد کے پاس حاضر ہو کر ان سے یہ علم حاصل کرے کیونکہ علماءِ باطن کے علاوہ سوای کسی سے یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ لَوْ بَثَثْتُ فِیْكُمْ لَقُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ مِنِّیْ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ ۝ (۱۴) (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم لئے۔ ان میں سے ایک تو تمہارے درمیان ظاہر کرتا ہوں اور اگر دوسرا ظاہر کرتا ہو تو میرا گلا کاٹ لیا جائے"۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک علم باطنی ہے، دوسرا علم ظاہری علم ظاہری تو عالمان ظاہری سے حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن علم باطنی عالمان باطنی کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ علم بھی حاصل کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

علم دو ہیں، ایک وہ علم ہے جو زبان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایک وہ جو

دل سے تعلق رکھتا ہے اور فرمایا کہ یہ دوسرا یعنی دل کا علم زیادہ نافع اور ضروری ہے۔ پس زبان کا علم تو عالمان ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر علم قلب سوائے عالمان باطن یعنی صوفیائے کرام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

علم خوانی ہم طریقش قولی است
حرف آموزی طریقش فعلی است
فقر خواہی او بصحبت قائم است
نے زبانت کارے آید نہ دست (۶۵)

مختصر یہ کہ علم قلبی یعنی علم باطن صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام فقر یعنی علم باطن ہے جس کے واسطے پیر و مرشد کی ضرورت ہے۔ (۶۶)

شیخ کی ضرورت اقوال مشائخ کی روشنی میں:

روحانی دنیا میں ایک شیخ کی ضرورت کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہم عملی زندگی میں ایک ایسے راہبر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو اس راہ پر گزرنے کا کامیاب تجربہ رکھتا ہو۔ علوم دین اور اسلامی فلسفہ وغیرہ کے استاد تو بہت مل سکتے ہیں لیکن وہ روحانی معاملات سے تقریباً لاتعلق نظر آتے ہیں۔ مولانا روم نے مثنوی میں فرمایا کہ کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا، جب تک وہ کسی لوہار کے ہاتھ نہیں

چ حتا اور کوئی حلوائی از خود اپنے کام کا استاد نہیں بن سکتا، جب تک کسی شکر ریز کی شاگردی نہیں کرتا۔ فرماتے ہیں کہ میں خود بھی مولائے روم نہ بن سکتا تھا جب تک میں نے شمس تبریز کی غلامی اختیار نہ کی۔ یہی معنی درج ذیل اشعار میں پائے جاتے ہیں:۔

ہیچ کس از خود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد
ہیچ حلوائی نہ شد استاد کار
تا کہ شاگردے شکر ریزے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد (٦٧)

ماضی میں کسی ایک ایسے بزرگ کا نام نہیں ملتا کہ جو کسی بزرگ کی بیعت کے بغیر بزرگی کے رتبے پر فائز ہو گیا ہو۔ جس قدر بزرگ اب تک ہوئے ہیں ہر ایک نے کسی نہ کسی سے بیعت ضرور اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ضرورت شیخ کو محسوس کیا اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی نبی یا رسول یا ہادی کو مبعوث فرمایا۔ کوئی زمانہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جہاں کوئی ہادی مقرر نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ نبوت ختم ہونے کے بعد بھی ایسے ہادی آتے رہے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ پیر کامل کی صحبت کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔ آپ کی کتاب "کشف المحجوب" (٦٨) تصوف کے اسرار سے بھری پڑی ہے اور اس موضوع پر بہترین کتاب تصور کی جاتی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید اپنے پیر کی راہنمائی کے بغیر تصوف میں کوئی پیش رفت حاصل نہیں کرسکتا آپ کا قول ہے کہ جب کوئی سالک طریقت میں مجاہدہ سے راہ بنا رہا ہو تو وہ حالت تفریق میں ہوتا ہے اور جب بندہ پر عنایت اور ہدایت حق ہونے لگے تو وہ مقام جمع میں ہوتا ہے۔ علم اصول جمع ہے اور علم فروع تفرقہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ عادت الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ اس دنیا میں ایک پیرا اور ایک مرید ہو، ایک مقتداء اور دوسرا مصاحب ہو، ایک پیشوا اور دوسرا پیروکار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو استاد بنایا اور فرشتوں کو ان کے تابع کیا۔ دنیا میں انبیاء کو ارسال فرمایا اور کچھ لوگوں کو ان کا جانشین یا حواری بنایا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بنایا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مرشد اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ یا برزخ ہے۔ (٦٩)

شیخ الاسلام ہروی علیہ الرحمہ:

آپ فرمایا کرتے تھے "الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا مرتبہ عطا کر دیا ہے

کہ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے تجھے پہچان لیا اور جس کو تیری شناخت نصیب نہ ہوئی وہ ان کی شناخت سے بھی محروم رہا"۔ آپ کی اس بات سے معلوم ہوا کہ جو اولیا کو پہچان لے وہ خدا کو پہچان سکتا ہے بشرطیکہ کچھ خداشناسی کا رتبہ اس کو پہلے سے حاصل ہو۔ یعنی جو خداشناس نہیں وہی بزرگوں کا منکر ہوتا ہے۔

حضرت ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کو پکڑنا کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کے عین مطابق ہے۔ جب تک سالک کے نفس پر تشدد کی ضرب ہوتی رہے تو وہ راہ شریعت پر چلنے والا ہوتا ہے اور جب بخوشی عبادت کرے اور عبادت میں لذت بھی ہو تو یہ طریقت ہے۔ طریقت میں نوبت قال کی بجائے حال پر پہنچ جاتی ہے۔ قال اور حال میں اتنا ہی فرق ہے جتنا صاحب قال اور صاحب حال میں فرق ہوتا ہے۔ یہی عاشقوں کی جماعت ہے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر علیہ الرحمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ تصوف میں خدا سے دل کا بلاواسطہ تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ جس نے تصوف نہ سیکھا وہ نکما ہے۔ مدار طریقت بیعت پر ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندہ بندگی سے ہے اور اس وقت ہی بندہ ہو سکتا ہے جب تک وہ دونوں جہانوں سے آزاد نہ ہو جائے، یہ سب طریقت کا حصہ ہے۔ آپ نے طریقت پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں آپ ذکر میں رقص فرماتے۔ آپ کا قول ہے کہ ایسا ذکر

صرف وہ کرسکتا ہے کہ جب وہ آستین کو اوپر اٹھائے تو عرش اعظم نظر آئے اور جب زمین پر پیر مارے تو تحت الثریٰ تک دیکھ لے۔ آپ کے قول کے مطابق جو لوگ طریقت کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار نہیں ہو سکتا۔(۷۰)

حضرت عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمہ:

آپ نے خزینہ معارف (ابریز) میں علوم طریقت کے متعلق گوہر افشانیاں کی ہیں اور طریقت کے مختلف پہلوؤں پر بہت زور دار تحریریں لکھوائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولی کامل انسان کو ایک لحظہ میں واصل باللہ بنا سکتا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں طریقت کے بے شمار رموز واسرار سے پردہ کشائی کی ہے جس سے طریقت کی صداقت کا علم ہوتا ہے۔ آپ کے کلام سے واضح ہو جاتا ہے کہ نااہل لوگ طریقت کے پاس سے بھی نہیں پھٹک سکتے۔(۷۱)

علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

نظر نہیں تو مرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل (۷۲)

حضرت عز الدین عبدالعزیز بن عبدالسلام علیہ الرحمہ:

آپ شروع شروع میں اولیا کے منکر تھے۔ جب ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کا کلام سنا تو چیخ اٹھے کہ لوگو! سنو یہ وہ کلام ہے جو پہلے نازل نہیں ہوا۔ اس کلام سے

متاثر ہو کر آپ نے ابوالحسن شاذلی سے بیعت حاصل کی۔ جب آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے تو فرمایا کہ گروہ صوفیاء دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی دلیل ان کی وہ کرامات ہیں جو ان کے ہاتھوں پر صادر ہوتی ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے ان کے چہروں پر راندہ درگاہ ہونے اور غضب الٰہی کی علامات پائی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور یہ حقیقت اہل مشاہدہ سے پوشیدہ نہیں۔ (۷۳)

حضرت عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ:

آپ نے اپنی تصنیف انوار قدسیہ میں بیعت کو واجب قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جب باطنی نجاستوں کا دور کرنا واجب ہے تو ان نجاستوں کے دور کرنے کا طریقہ (یعنی طریقت) کا سیکھنا بھی واجب ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی خود بخود اپنی اصلاح کرنے لگے تو اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا اگرچہ ہزاروں کتابیں حفظ کرلے۔ (۷۴)

امام غزالی علیہ الرحمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تک نہ پہنچ سکا تو اس لئے کہ وہ اس راہ پر چلا ہی نہیں، وہ اس راہ پر اس لئے نہیں چل سکا کہ اس نے اس راہ کی تلاش ہی نہ کی، تلاش اس لئے نہ کی کہ اس کو اس راہ کی پہچان نہ ہو سکی اور اس راہ سے پہچان اس لئے نہ ہوئی کہ اس کا ایمان مکمل نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس لئے مکمل نہ ہوا کہ وہ

مردان راہ کی راہبری سے محروم رہا۔ آپ نے دس سال کے درس وتدریس کا سلسلہ چھوڑ کر یہ مدت صرف روحانی تجربات اور تحقیقات کے لئے صرف کی اور آخرکار آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ مشائخ کا گروہ ہی ایسا ہے جس سے لوگ اللہ کی طرف ہدایت پاسکتے ہیں اور یہ لوگ اسی کام کے لئے اللہ کی طرف سے منتخب ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی اس تحقیق کو احیاء العلوم کی چار جلدوں میں اور المنقذ من الضلال (۷۵) میں قلمبند فرمایا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم سلوک کا حاصل کرنا بھی فرض ہے۔

حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمہ:

حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے فرمودات کئی کتابوں پر مشتمل ہیں اور آپ کا تمام کلام تصوف میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ آپ کی تربیت عثمان ہارونی علیہ الرحمہ نے کی اور اس تربیت کے دوران اور کسی کو مرید نہ کیا۔ جب تربیت مکمل ہوئی تو معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کو روضہ رسول ﷺ پر پیش کیا اور فرمایا کہ حضور یہ میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ اس کو قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور ہندوستان کے ایک شہر اجمیر شریف میں آپ کو منصب ارشاد پر تعینات فرمایا۔(۷۶)

حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ:

آپ نے "عوارف المعارف" میں تصوف سے متعلق مکمل تفصیل باہم بیان فرمائی ہے۔اس کا شمار تصوف کی بہترین کتابوں میں کیا جاتا ہے۔آپ عبداللہ بن بشر علیہ الرحمہ کے واسطے سے ایک صحیح حدیث کی روایت لکھتے ہیں کہ اگر ایک جگہ بیس یا اس سے زیادہ افراد جمع ہوں اور ان میں ایک شیخ بھی ایسا نہ ہو جو اللہ سے ڈرانے والا ہو تو سب کا معاملہ خطرناک ہو جاتا ہے۔آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں کی پیروی کرو اور اس سے مراد مشائخ کرام کے سوا اور کوئی شخص نہیں لیا جا سکتا۔فرماتے ہیں کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب سفر میں دو یا تین آدمی ہوں تو ان میں ایک امیر بن جائے۔ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ کسی قبیلے میں شیخ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسا کسی امت میں نبی (اَلشَّيْخُ فِيْ قَرْيَتِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ اُمَّتِهٖ)(۷۷)

حضرت عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ:

آپ نے امام مالک علیہ الرحمہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہ کا علم حاصل کیے بغیر تصوف حاصل کرنے والا زندیق ہوتا ہے اور تصوف کے بغیر فقہ کا علم حاصل کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔جس نے فقہ اور تصوف دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہے۔(۷۸)

حضرت امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ توحید، رسالت، عقائد، زہد و تقویٰ، مکاشفات، اور

ذکر اذکار وغیرہ کی درستگی کے لئے شیخ کا ہونا ضروری ہے اور سلوک کا طے کرنا ایک شیخ کے بغیر ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی کتنا ہی زاہد اور عابد کیوں نہ ہو وہ شیطان کے پھندوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہ علم سلسلہ وار بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور اس تعلیم کی ابتدا رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوئی۔ شیخ نائب رسول اللہ ﷺ ہوتا ہے اور مریدین کی جماعت کو راہِ حق دکھاتا ہے۔ آپ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اسکا شیطان پیر ہوتا ہے۔(۷۹)

حضرت علامہ ثناءاللہ پانی پتی علیہ الرحمہ:

ولائت پر فائز ہونے کے بعد سالک پر انوار رسالت کا انعکاس شروع ہو جاتا ہے اور پرتو جمال محمدی ﷺ اس کی روح کو روشن کر دیتا ہے اور یہ دولت ان کو ملتی ہے جو بکثرت اولیاء کی صحبت میں حاضر رہیں۔ فناء القلب، جو اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے، مشائخ کے توسط سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ذکر یا مراقبے سے یہ استطاعت پیدا ہو جاتی ہے کہ مرید حضور ﷺ سے یہ فیضان یا القا قبول کر سکے اور دوری کے حجاب الٹ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں ایک شیخ کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت عبیداللہ احرار علیہ الرحمہ:

آپ باتصرف بزرگ تھے اور ہر وقت بادشاہِ وقت کے ساتھ منسلک رہتے تاکہ بادشاہ کسی قسم کی غیر اسلامی روش اختیار نہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں

یہی کام سونپا گیا ہے کہ بادشاہ کی حرکات وسکنات پر نظر رکھی جائے۔فرماتے ہیں کہ اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا میں کسی کو کوئی مرید نہ ملتا اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی جسے تو تباہ کرنا چاہتا ہے اسے ہمارا دشمن بنا دیتا ہے۔آپ صاحب تصرف بزرگ تھے اور آپ کو تصرف حاصل ہونے اور آپ کی روحانی زندگی کے کمالات طریقت کے اثبات میں دلائل ہیں۔(۸۰)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ:

طریقت پر آپ نے بہت سی کتب تصنیف فرمائیں ہیں اور ''مکتوبات'' میں تصوف کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔مبداء و معاد میں روحانی علوم پر وافر تفصیل فراہم کی ہے۔آپ نے واصل باللہ ہونے کے طریقے،مرید کا کام پیر کے بغیر دشوار ہونے،ترتیبی مراحل کو طے کرنے،قلیل مدت میں نسبت کی تکمیل ہونے،صحبت فقراء سے فیوض و برکات حاصل کرنے،مرشد کی نظروں سے فیضان حاصل کرنے،اولیاء اللہ کا امراض قلبی کا علاج کرنے،مرید کو بلند مراتب پر فائز کرنے،طریقت میں شریعت کی متابعت اور شیخ سے محبت کا لزوم ہونے،اولیاء اللہ کا نسبت کی عطا پر پوری قدرت رکھنے پر بہت طویل تحریریں رقم فرمائی ہیں۔آپ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا طریق صحابہ کرام علیہ الرحمہ کا طریق ہے۔کوئی کتنا بڑا پرہیز گار کیوں نہ ہو بزرگوں کی صحبت سے مستغنی نہیں۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال کے لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت اختیار کی اور فرمایا کرتے

تھے کہ اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں متعدد بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے "سایہ راہبر بہ است از ذکرِ حق" یعنی پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ "جاننا چاہیے کہ میرے پیر اور وصول الی اللہ میں راہنما وہ لوگ ہیں جن کے توسط سے میں نے اس راہ سلوک میں آنکھیں کھولی ہیں اور ان ہی کی وساطت سے میں نے راہ سلوک کے معاملہ میں لب کشائی کی ہے اور طریقت میں الف اور با کا سبق انہی سے لیا ہے۔ میں نے مولویت کا ملکہ بھی انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کی طفیل اور معرفت ہے تو وہ بھی ان ہی کے توجہات کا اثر ہے۔ میں نے نہایت کو بدایت میں درج کرنے کا طریقہ ان ہی سے سیکھا ہے۔ میں نے قیومیت کی جہت سے جذب کی نسبت بھی انہی سے اخذ کی ہے۔ میں نے ان کی ایک نظر سے وہ فیض پایا ہے جو دوسروں کو چالیس دن کی چلہ کشی میں بھی میسر نہیں آ سکتا۔ میں نے ان کی گفتگو سے وہ کچھ پایا جو دوسرے برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ (۸۱)

حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ:

آپ نے اس بات پر بہت تفصیل سے بات کی ہے کہ آیت وسیلہ (وابتغو الیه الوسیلہ سورہ المائدہ۔ آیت ۳۵) میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے اور اس وسیلے سے مراد مرشد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں کہ

کچھ لوگ اس آیت میں وسیلے سے مراد نیک عمل لیتے ہیں اور مرشد کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کو معلوم نہیں کہ اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو مرشد بدرجہ اولیٰ ایک وسیلہ ہے۔ آپ نے وہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس میں پاک لوگوں کو کشتی نوح اور دروازہ حطہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں جو اس میں سوار ہوا پار ہو جائے گا (☆)"۔ (۸۲)

حضرت شمس الدین سیالوی علیہ الرحمہ:

آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کے بغیر روحانیت میں ترقی ممکن نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پیر کی صحبت سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ مرید کو چاہیے کہ خود کو پیر میں محو کر دے تا کہ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر کو دیکھ سکے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمہ ایک قبرستان سے گزر رہے تھے تو آپ نے مشاہدہ کیا کہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ایک مرید کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کی روح وہاں پہنچ گئی اور فرشتوں کو عذاب دینے سے منع کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ آپ کے مرید کو اس لئے عذاب دیا جا رہا ہے کہ اس کے اعمال آپ کی ہدایت کے مطابق نہ تھے۔ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن اس شخص نے اپنا ہاتھ اس فقیر کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے۔ یہ سن کر فرشتے چلے گئے اور ایک ندا آئی کہ اس شخص کو اس پیر

کے طفیل بخش دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بزرگوں کی خاطر ان کے عزیزوں کو بخش دینے کا ذکر سورہ الرعد کی آیت ۲۳ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث اس بات پر ناطق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امت سے ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے جن میں سے ہر ایک ستر ہزار ان لوگوں کو بخشوا لے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ (۸۳)

حضرت سائیں توکل شاہ علیہ الرحمہ:

آپ نے ''ذکر خیر'' میں فرمایا ہے کہ بیعت کرنے سے مرید کو دینی دنیاوی کاموں میں اللہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مرید کی ہر چیز کا مالک اس کا پیر ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں پیر پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ مرید کے لئے جان کنی کے وقت مدد کرے تاکہ اس وقت اس کے لب پر ذکر الٰہی جاری ہو جائے اور شیطان اس کا ایمان سلب نہ کر لے۔ فرماتے ہیں کہ پیر منکر نکیر کے سوال کے جواب میں آسانی پیدا کرواتا ہے اور پل صراط پر اس کی مدد کرتا ہے اور بالآخر سید المرسلین ﷺ کی شفاعت میں داخل کروانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو مرید دل و جان سے پیر کے عاشق ہوں ان کا معاملہ تو بیان سے باہر ہے۔ (۸۴)

صوفی شعراء اور ضرورت شیخ:

اگر صوفی شعراء کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے گی کہ انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا اس بات پر زور دیا ہے کہ شیخ کامل کے بغیر

طریقت، معرفت، حقیقت کا حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اسی کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مقام شوق صدق و یقین کے بغیر ہاتھ نہیں آتا اور یقین صحبت جبریل امین (شیخ کامل) کے بغیر ممکن نہیں۔ اقبال فرماتے ہیں کہ دین کو کتابوں میں نہ ڈھونڈو۔ علم کتابوں میں مل سکتا ہے مگر دین سوائے نظر کے نہیں ملتا۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ کتابوں کو آگ میں پھینک دو اور اپنے دل کا رخ محبوب شیخ کی طرف کرو۔ حضرت سلطان عارفین فرماتے ہیں کہ اللہ کا راستہ بغیر مرشد کے نہیں ملتا۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلن تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باھو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

نہ میں جوگی، نہ میں جنگم، نہ میں چلہ کمایا ہو
نہ میں بھج مسیتی وڑیا نہ تسبا کھڑکایا ہو
جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہہ فرمایا ہو
مرشد سوہنی کیتی باھو پل وچ چا بخشایا ہو

پیر ملے تے پیڑ نہ جاوے، تاں اس "پیر" کیہہ دھرنا ہو
مرشد ملیاں رشد نہ من نوں اوہ مرشد کیہہ کرنا ہو
جس ہادی تھیں نہیں ہدایت اوہ ہادی کیہہ پھڑنا ہو
سردتیاں حق حاصل ہووے موتوں مول نہ ڈرنا ہو

باجھ حضوری نہیں منظوری پے پڑھن بانگ صلاتاں ہو
روزے نفل نماز گزارن، پے جاگن ساریاں راتاں ہو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے، کڈھن پے زکاتاں ہو
باجھ فنا رب حاصل ناہیں، نہ تاثیر جماتاں ہو

نہ رب عرش مُعلّےٰ اتے نہ رب خانے کعبے ہو
نہ رب علم کتابیں لبھا، نہ رب وچ محرابے ہو
گنگا تے رتھ مول نہ ملیا پینڈے بے حسابے ہو
جد دا مرشد پھڑیا باہو چھٹے سب عذابے ہو

ایہہ تن میرا چشماں ہووے، مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ چشماں، ہک کھولاں ہک کجاں ہو

اتناں ڈھٹیاں صبر نہ آوے ہور کدے دل بھجاں ہو

مرشد دا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو(۸۵)

حضرت میاں محمد بخش کے نزدیک شیخ کامل کی اہمیت:

شیخ کامل کی اہمیت، آپ کے ایک ایک شعر سے واضح ہے۔ آپ کا لکھا ہوا ایک ایک مصرع، ضرورت شیخ، افادیت شیخ اور تصرف شیخ کی نشاندہی کرتا ہے۔

سب کچھ کیتا یار حوالے، تن من جان بھی تیری

میں کوجھی دا مرشد توں ہیں لاج رکھیں ہن میری

مرشد دا احسان میرے تے سار لئے محتاجاں

اتھے اوتھے دوئیں جہانیں، پیر میرے نوں لاجاں

پیر دے ہتھ وچ ہتھ نوں دے کے بھید نہ دلدا کھولیں

جیہڑا کلمہ پیر پڑھاوے اوہی کلمہ بولیں

جہاں عشق نمازاں پڑھیاں اوہ کدے نہ مردے

کامل مرداں دے در جا کے دیکھ لے دیوے بلدے

راہ دے راہ دے ہر کوئی کہندا، میں بھی آکھاں راہ دے
بن مرشد تینوں راہ نہیں لبھنا مر ویسیں وچ راہ دے

مالی دا کم راکھی کرنا، پھل پکے ہون یا کچے
پیر مریداں دے سر رہندے جھوٹے ہون یا سچے

صحبتِ شیخ اور استمد اداز شیخ کے متعلق آپ نے مثالیں پیش کی ہیں، فرماتے ہیں۔

برے بندے دی صحبت یارو! جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے، چنگاں پین ہزاراں

چنگے بندے دی صحبت یارو! وانگ دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لئے ہلے آون ہزاراں

کی ہویا جے میں گن ہاری بھیڑے عملاں والی
میرے عیب چھپاون کارن، سرکار دی کملی کالی

کدھرے چِٹا چیچ رلاوے کدھرے کرے گھیرا
کدھرے تھوڑا پانی لاوے کدھرے دے ودھیرا

ہر ہر بکھے پانی پھیرے، ہر آوے، ہر جنے
بُھکھاں نوں سرراس کریندا، گل بُھکھاں دے بجھنے

غیر کولوں میں کیوں کر منگاں، خصم کنگال نہیں میرا
غوث الاعظم بوہڑ شتابی، تار اساں دا بیڑا

جتن جتن ہر کو کھیڈے ہارن کھیڈ فقیرا
جتن دا مل کوڈی پے سی، ہارن دا مل ہیرا

مرد ملے تے مرض گواوے، اوگن دے گن کردا
کامل پیر محمد بخشا، لعل بناون پتھر دا

اوکھی گھاٹی مشکل پینڈا، واٹ لمبی توں کلا
جے منزل مقصود نوں پاونا، پھڑ مرشد دا پلا

ولی اللہ دے بھانڈا تک کے پاندے خیر حضوروں
جیہڑا پاک، غروروں خالی سو پر کر دے نوروں

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے، مشکل رہے نہ کائی
قلم ربانی ہتھ ولی دے لکھے جو من بھاوے
مردے نوں رب قدرت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے

مرد انیندے،مرد تھیدے،کردے مرد لویراں
سیون مرد، پوشاک بناون،شاد کرن دلگیراں

مرداں دے ہتھ کا رج سارے آپ خداوند سٹے
دنیاں باغ، ولی وچہ مالی ،بوٹے لاوے پٹے

جس دے اندر عشق نہ رچیا، کتے اس تھیں چنگے
مالک دے در راکھی کر دے، صابر،بھکے ،ننگے

میاں محمد بخش فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا اپنے مرشد سے ہی ملا ہے۔

مرشد کی صحبت سے حاصل کردہ فیوض کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

میں نیواں میرا مرشد اُچا، میں اچیاں دے سنگ لائی
صدقے جاواں انہاں اُچیا اُتوں، جنہاں نیویاں نال نبھائی

صحبت مجلس پیر میرے دی بہتر نفل نمازوں
ہک ہک سخن شریف انہاں دا کردا محرم رازوں

چھپی مارلیاون موتی وحدت دے دریاؤں
کھریاں گلا کھریاں چالاں، دامن پاک ریاؤں

مشتاق جتنا قدر نہ میرا اس نوں سبھ وڈیایاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سایاں(۸۲)

☆☆☆☆☆☆☆

المـــــراجـــع

(۳۶) پارہ ۶، رکوع ۱۰

(۳۷) مثنوی شریف، مولانائے روم

(۳۸) ضرورت مرشد، پیر سید جماعت علی شاہ

(۳۹) پارہ نمبر ۶، رکوع نمبر ۷

(۴۰) پ ۶، ع ۷

(۴۱) پ ۶، ع ۷

(۴۲) سورہ عبس

(۴۳) روایت بخاری

(۴۴) پ ۲۵، ع ۱۲

(۴۵) پارہ نمبر ۱۹، رکوع نمبر ۲

(۴۶) پارہ نمبر ۱۳، رکوع نمبر ۱۰

(۴۷) پارہ نمبر ۹، رکوع نمبر ۱۰

(۴۸) پارہ نمبر ۱۹، رکوع نمبر ۴

(۴۹) پارہ نمبر ۳۰، رکوع نمبر ۱۶

(۵۰) پارہ نمبر ۲۷، رکوع نمبر ۱۷

(۵۱) پارہ نمبر ۱۴، رکوع نمبر ۱۲

(۵۲) پ ۱۹، ع ۷

(۵۳) (پ ۲۲، ع ۳)

(۵۴) (پ ۱۸، ع ۱۰

(۵۵) (پ ۲۲، ع ۲

(۵۶) (پ ۲۸، ع ۱۳)

(۵۷) (پ ۲۲، ع ۶)

(۵۸) (پ ۲۵، ع ۱۰)

(۵۹) (پ ۱۱، ع ۴)

(۶۰) تفسیر روح البیان

(۶۱) ضرورت مرشد

(۶۲) (پ ۲۶، ع ۹)

(۶۳) (بخاری شریف)

(۶۴) (رواہ البخاری)

(۶۵) بخاری

(۶۶) ضرورت شیخ

(۶۷) مثنوی، مولانائے روم، الفیصل ناشران

(۶۸) کشف المحجوب، علی ہجویری

(۶۹) غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانی

(۷۰) بیعت کی تشکیل وتربیت، عبداللطیف

(۷۱) خزینہ معارف، پیر حسن

(۷۲) کلیاتِ اقبال

(۷۳) بیعت کی تشکیل وتربیت

(۷۴) انوارِ قدسیہ، عبدالوہاب شعرانی

(۷۵) النمقز من الضلال (ترجمہ تلاشِ حق، امام غزالی)

(۷۶) ہشت بہشت

(۷۷) عوارف المعارف، شہاب الدین سہروردی

(۷۸) القول الجمیل، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

(۷۹) فیصلہ ہفت مسئلہ، امداد اللہ مہاجر مکی

(۸۰) بیعت کی تشکیل وتربیت

(۸۱) مکتوباتِ ظل سبحانی

(۸۲) القول الجمیل، شاہ ولی اللہ

(۸۳) بیعت کی تشکیل وتربیت

(۸۴) ذکرِ خیر، سید محبوب علی شاہ

(۸۵) ابیاتِ باہو، سلطان باہو

(۸۶) سیف الملوک، میاں محمد بخش

☆☆☆☆☆☆☆

باب چہارم

اجزائے بیعت

۱۔توبہ	۲۔ورع	۳۔زہد	۴۔فقر
۵۔صبر	۶۔توکل	۷۔ایثار	۸۔رضا

اجزائے تربیت:

جب کوئی شخص بیعت کرتا ہے تو شیخ کامل اُس کی طبیعت اور باطنی استعداد کا مطالعہ کرتا ہے، اُس کی باطنی صلاحیت کا جائزہ لیتا ہے کیونکہ نفس، قلب اور روح کی خوبی اور خرابی کا اشارہ کرتا ہے۔ پھر باطن کے مکروہ اور غلط رویوں کو پاکیزگی میں بدلنے کے لئے اور اس کے اخلاق باطنیہ کو سنوارنے کے لئے تدابیر اختیار کرتا ہے تاکہ اُس کے باطن میں پاکیزہ اخلاقیات کے اہم ترین اجزاء اور ایسی اخلاقی قوتیں پیدا ہو جائیں جو کمال انسانی کے لئے بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔ ذیل میں ان اخلاقی عنوانات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جو اہل تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں تربیت کے سلسلے میں بیان کرتے رہے ہیں۔

۱۔توبہ	۲۔ورع	۳۔زہد	۴۔فقر	۵۔صبر
۶۔توکل	۷۔ایثار	۸۔رضا		

۱۔توبہ:

توبہ سلوک کا اولین مقام ہے۔ تصوف میں بیعت کا آغاز توبہ ہی سے ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ قرآن حکیم اور سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا"

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، خالص توبہ"۔ (۸۷)

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو۔ اور اس سے استغفار کرو۔ کیونکہ میں خود روزانہ سو مرتبہ اللہ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر مجھے معلوم ہو کہ صرف ایک شخص دوزخ میں جائے گا تو میں ڈروں گا کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں۔ اور اگر معلوم ہو کہ صرف ایک شخص جنت میں داخل ہوگا تو مجھے امید ہوگی کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں۔

(کتاب اللمع از ابو نصر السراج: (م ۳۷۸ھ)

توبہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ کہ بندہ اپنے رب کی طرف خلوص کے ساتھ متوجہ ہو کر اپنے گناہوں کی ایسی معافی مانگے جس میں ریا اور نفاق کا ذرا بھی عمل دخل نہ ہو۔ توبہ کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رحمت کی وجہ سے ملتی ہے۔ اور یہ وہی درِ رحمت ہے جو خالق نے اپنی مخلوق کی نجات کے لئے کھول رکھا ہے۔ توبہ کا دروازہ موت تک کھلا ہے۔ اور جب موت کا فرشتہ حاضر ہو جاتا ہے تو یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ (۸۸)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توبہ نصوح کا مطلب پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو پھر شرمساری کے

ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب مت کرو"۔

۲۔ ورع:

یہ سلوک کا دوسرا مقام ہے۔ ہر مشتبہ چیز کو ترک کر دینا "ورع" کہلاتا ہے۔ اس کی تعلیم بھی قرآن و سنت میں دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ"

"اور جو کوئی محرمات الٰہی کی تعظیم کرے تو اس کے لئے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے" (۸۹)

حلال و حرام کی دو حدوں کے درمیان کچھ ایسی چیزیں ہیں جن پر نہ تو حلال کا حکم صادق آتا ہے اور نہ حرام کا۔ ان اشیاء کو شبہات کہتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا سالک کے لئے بہت ضروری ہے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان امور کو ترک کر دو جو شک میں ڈالیں اور وہ باتیں اختیار کرو جو شک و شبہ سے بالاتر ہوں"۔ (ترمذی شریف)

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے وابصہ تو پوچھنے آیا ہے کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ "جی حضور" یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: "اپنے دل

سے پوچھ۔ حضور ﷺ نے تین بار یہ الفاظ دہرائے اور پھر فرمایا: نیکی وہ ہے جس سے دل مطمئن ہو اور سکون نصیب ہو۔ اور گناہ وہ ہے جو نفس میں خلش پیدا کرے اور دل میں کھٹکے۔ اگرچہ لوگ اس کے جواز کا فتویٰ دیں"۔ (۹۰)

صوفیاء نے "ورع" کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ کیونکہ اسی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ممنوعات اور محرمات سے بچنا اور اجتناب کرنا تو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لیکن تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مشکوک چیزوں سے بھی اپنے آپ کو بچایا جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کوئی شخص اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑ دے جس میں گناہ کا اندیشہ ہو۔" (ابن ماجہ۔ ترمذی شریف)

حضرت عبداللہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔

"بیشک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ اکثر لوگ ان کو نہیں جانتے۔ پس جو مشکوک چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ اور جو مشکوک چیزوں میں پڑا وہ حرام میں جا پڑا۔ تو وہ اس چرواہے کی مانند ہے جو چراگاہ کے گرد اپنے مویشی چراتا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ (اپنے مویشی) اس (چراگاہ) میں چرانے لگے۔ خبردار رہو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں خبردار!

تمہارے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو گیا تو سارا جسم سدھر گیا۔ اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا۔ جان لو کہ وہ دل ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تصوف میں اصلاح قلب کے لئے ورع یعنی مشکوک اشیاء سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ اس لئے صوفی ہمیشہ مکروہات سے بچتا ہے۔ کیونکہ دل میں ذرا سی بھی کثافت اس کی طہارت و پاکیزگی کو میلا کر دیتی ہے۔ اور تزکیہ نفس کے لئے اس کا ہر وقت خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا: "دل کی اصلاح سے ہی اعمال کی اصلاح ہو گی"

۳۔ زہد:

سلوک کا تیسرا مقام "زہد" ہے۔ اس کی تعلیم بھی قرآن و سنت میں دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں حیات دنیا کو "متاع الغرور" کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی دھوکے کا سامان۔ اس میں دنیا سے کم سے کم دل بستگی پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی کا نام زہد ہے۔ یعنی بے رغبتی پیدا کر لینا کہ کسی چیز کو حقیر سمجھ کر توجہ نہ دینا۔ دل کو دنیا سے دور کرنے کو بھی زہد کہتے ہیں۔۔ مومن کو نہ تو دنیا چھوڑنے کا حکم ہے کہ سب کچھ ترک کر کے جنگل میں نکل جائے اور نہ ہی دنیا میں دل لگانے کا حکم ہے۔ تصوف میں ترک دنیا یا زہد سے مراد یہ ہے کہ مومن اسی دنیا میں رہ کر اللہ سے لو لگائے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے اس میں نیکی کا بیج بوئے نہ کہ اسے عشرت کدہ سمجھتے ہوئے بدی کاشت کرے۔ اور گناہ کی فصل تیار کرے۔ دنیا بڑی

دلکش اور دلفریب ہے۔اس میں نفسانی خواہشات کونشونما دینے کی بڑی صلاحیت
موجود ہے۔جس کے پیچھے شیطانی قوتیں رازداری سے کام کررہی ہیں۔دنیا مومن
کے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔اس کمرہ امتحان کو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔اس میں رہ کر
ہم نے زندگی کا پرچہ حل کرنا ہے جس کا وقت مقرر ہے اور اضافی وقت نہیں دیا جائے
گا۔اس کا نتیجہ موت کے بعد نکلے گا۔یہاں نگران اعلیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے اور کراماً
کاتبین (نیکی بدی لکھنے والے فرشتے) بھی ہر فعل تحریر میں لا رہے ہیں۔ایسی
آزمائش گاہ میں مومن کو بھلا عیاشی سوجھتی ہے! اسی لئے فرمایا کہ دنیا مومن کے لئے
قید خانہ ہے جس سے وہ خالق کی مرضی اور امر کے مطابق رہائی پر خوش ہو جاتا ہے۔
وہ اپنے رب کے بلاوے پر خوشی سے لبیک کہتا ہے اس کے لئے موت بھیانک
نہیں ہوتی بلکہ حسین ہوتی ہے۔کیونکہ موت تو ایک بلاوا ہے بندے اور اس کے
رب کی ملاقات کا۔اور جو لوگ اس دنیا میں دل لگا لیتے ہیں۔محاسبے اور حساب و
کتاب سے بے فکر دنیا کے چند دنوں کو ہی دائمی سمجھ لیتے ہیں۔وہ بھلا موت کی تمنا
کرتے ہیں۔۔۔۔ہرگز نہیں وہ موت سے ڈرتے ہیں چیختے چلاتے ہیں کہ ہائے
یہ عیش و عشرت اس سے چھوٹ گئی۔ترک دنیا تو بس یہی ہے کہ اس دنیا میں رہ کر ہر
اس چیز کو چھوڑ دو جو بندے کو اپنے رب سے دور کرتی ہے۔یہی زہد ہے جو صوفیاء کا
اوڑھنا بچھونا ہے۔حلال کو حرام ٹھہرانے کا نام زہد نہیں۔(۹۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ"

"اور یہ دنیاوی زندگی تو محض کھیل تماشہ ہے۔ اور بے شک آخرت کا گھر ہی سچی زندگی ہے اگر تم سمجھے"۔ (۹۲)

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا:

"دنیا میں اس طرح رہ گویا تو ایک مسافر ہے یا ایک راستہ عبور کرنے والا"۔

(مشکوۃ شریف)

صحابہ کرام ؓ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ زہد کی صفت سے خوب مالا مال تھے۔ وقت کا تقاضا اور صورت حال کی مجبوری تھی کہ آپ ؓ نے خلافت کا بوجھ اٹھایا' آپ ؓ نے بارہا اپنے خطبوں میں ارشاد فرمایا۔۔ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ اس سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

آپ ؓ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "کاش میں گھاس کا تنکا ہوتا جسے بکری کھا جاتی"

حضرت حسن ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دوران خطبہ حضرت عمر فاروق ؓ کو دیکھا کہ ان کے لباس میں تیرہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمر ؓ زہد کے بلند درجے پر تھے۔ مال غنیمت کے ڈھیر تقسیم کر دیتے اور خود چادر جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے۔

حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے باغ میں محنت مزدوری کرتے اور رزق حلال کما کر لاتے۔ اور اکثر خیرات کر دیتے۔ صحابہ کرام کی زندگیاں زہد و تقویٰ کا کامل نمونہ تھیں۔

ابن ماجہ میں سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتا دیجیے کہ میں اس پر عمل کروں تو اللہ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا سے بے رغبتی اختیار کر اللہ تجھ سے محبت کرے گا۔ اور اس چیز سے بے رغبتی اختیار کر جو لوگوں کے پاس ہے پھر لوگ تجھ سے محبت رکھیں گے۔"

دنیا عارضی ہے اس میں قیام عارضی اس کا مال و متاع عارضی۔ اس کی بے ثباتی کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مسلم شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"دنیاوی زندگی، اخروی زندگی کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لو تو جو تری اس کے ساتھ لگ جائے"۔

اب انگلی کے ساتھ جو چند قطرے پانی لگ جاتا ہے۔ اس کی حیثیت سمندر کے سامنے کیا ہے؟ بس دنیا کی حقیقت اور حیثیت آخرت کے مقابلے میں اتنی سی ہی ہے۔ اور وہ انسان کتنا بد بخت ہے جو اتنی قلیل دنیا کے حصول کے لئے نہ

حلال وحرام کا خیال رکھتا ہے اور نہ ہی اسے اللہ کا خوف مانع ہوتا ہے۔ تصوف میں زہد کو اس لئے بلند مقام حاصل ہے کہ قرآن وسنت میں اسے اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۴۔ فقر:

یہ سلوک کا چوتھا مقام ہے۔ قرآن وسنت میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ"

"اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو۔ اور اللہ تو بے نیاز اور قابل ستائش ہے"۔ (۹۳)

معلم انسانیت ﷺ نے فرمایا:

"اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ"........ "فقر میرا فخر ہے"۔

اس فقر سے مراد غربت اور ناداری نہیں کہ مومن ہر کس وناکس کے سامنے دست سوال دراز کرتا پھرے۔ اس فقر سے مراد صرف اللہ کے سامنے محتاج ہونا ہے دنیاوی امیدوں سے الگ ہو کر صرف اسی کا ہو رہنا فقر ہے۔ رجوع الی اللہ اور توکل علی اللہ۔ وہ ماسوا اللہ سے کلیۃً بے نیاز ہو جائے۔ مومن کے دل کے اندر جب زہد پیدا ہو کر اپنے اثرات ظاہر کرتا ہے تو مومن فقر کی حلاوت محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کے دیئے پر قانع ہو جاتا ہے۔

فقیر دنیا کو منہ نہیں لگاتا کیونکہ لالچ طمع اور حرص جیسی بری خصلتیں مومن

کے قریب نہیں آتیں۔ مومن اللہ تعالیٰ کا فقیر ہوتا ہے۔ دنیا کی امیری یا غریبی اس کے فقر پر بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس کی قناعت کے سامنے ہر قسم کی احتیاج ہیچ ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اصحاب صفہ ایسے لوگ تھے جن کے شب و روز حالت فقر میں عبادت و ریاضت اور مجاہدۂ نفس کرتے ہوئے گزرتے تھے۔ کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا جو ان کے لئے ناکافی تھا۔ انہیں اپنی زندگی میں دو کپڑے شاذ و نادر ہی نصیب ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"(صدقات) ان فقراء کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں مقید ہو گئے۔ وہ لوگ زمین میں چلنے پھرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان کی عفت کی بنا پر جہلا انہیں مالدار خیال کرتے ہیں۔ آپ انہیں ان کی صورت سے پہچانتے ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر بھیک مانگا نہیں کرتے"۔ (۹۴)

اصحاب صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی۔ ستر سے لے کر چار سو تک ایسے مہاجرین تھے جن کے پاس دنیاوی مال و دولت نہیں تھی۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر رہتے تھے۔ اور جس کام کے لئے حکم ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ محنت مزدوری کرتے جہاد کرتے مگر زیادہ وقت قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے میں گزارتے۔ ان کی رہائش کے لئے مسجد نبوی میں ایک چھپر بنوا دیا تھا۔ فقر و

تنگدستی کے باوجود عزت نفس اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا جانتے ہی نہ تھے صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارتے۔ صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے۔

"(ایک دن) اصحاب صفہ کے پاس رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا۔ جب ان کے فقر، جہد اور طہارت قلب کو دیکھا تو فرمایا: اے اصحاب صفہ (ﷺ) تمہیں بشارت ہو میری امت میں سے جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے جن سے تم متصف ہو اور ان پر برضا و رغبت قائم رہیں گے تو وہ جنت میں میرے رفیق ہوں گے"۔ (۹۵)

تصوف میں فقر کا مقام بہت بلند ہے اور صوفیا اس صفت سے متصف ہوتے ہیں۔

۵۔ صبر:

تصوف میں سلوک کا پانچواں مقام صبر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں "صبر" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں صبر اور صبر کرنے والوں کے بارے میں کثیر تعداد میں آیات موجود ہیں اور معلم انسانیت ﷺ نے بھی اس کی خاص تعلیم دی۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

"اے ایمان والو! صبر کرو۔ (ایک دوسرے کو) صبر کی تلقین کرو۔ اور مل جل کر ربط و ضبط سے کام لو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ" (۹۶)

مزید فرمایا:

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"

"بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا"۔ (۹۷)

ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ"

"بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ (۹۸)

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا۔

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا"

"اے اللہ مجھے شکر گزار بنا دے اور صابر بنا دے"۔۔۔ (مشکوۃ شریف)

شعب ابی طالب میں رسول اللہ ﷺ کا صبر اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے خاندان کا صبر، اہل طائف کی بدسلوکی پر صبر، حضور ﷺ کی مکی زندگی سراپائے صبر تھی۔ اور صحابہ کرام نے کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کو کمال صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ شہادت عثمان غنیؓ اور شہادت امام حسین ؓ، صبر کی لازوال مثالیں ہیں۔

فقر کے بعد جب اللہ سے محبت بڑھتی ہے تو آزمائش شروع ہو جاتی ہے
۔وہ اس لئے کہ زہد اور فقر کی وجہ سے دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ دل
دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ سب بت
ٹوٹ جاتے ہیں وہ محبت جو کئی جگہ تقسیم تھی اب اپنے اصلی مقام پر مرتکز ہو جاتی
ہے۔اور بندے کی اپنے خالق کے ساتھ محبت بڑھ جاتی ہے۔اور جب محبت بڑھتی
ہے تو آزمائش ضرور ہوتی ہے۔

''ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے خوف وہراس میں جتلا کر کے اور کبھی بھوک
وتنگدستی کے ساتھ اور کبھی جان ومال کا نقصان کر کے اور کبھی فائدے کو گھاٹے میں
تبدیل کر کے پس صابرین کو خوشخبری سنادو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو
کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جائیں گے''(۹۹)

یہ پیغام ہے قرآن کا صابرین کے نام! صوفیاء کرام صبر وشکر کے پیکر
ہوتے ہیں سالک جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو مصائب دنیا پر کمال صبر کا مظاہرہ
کرتا ہے وہ نفسانی خواہشات کو کچل دیتا ہے اس کے دل میں حضرت بلال
رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ کا عشق تڑپ پیدا کرتا ہے۔اس کا صبر
اس کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے اور وہ استقلال کی چٹان بن جاتا ہے۔یہی
متقین کی راہ ہے اور یہی مقربین کا مقام ہے۔

۶۔توکل:

یہ سلوک کا چھٹا مقام ہے۔ قرآن و سنت میں اس کی تعلیم بڑے جامع انداز میں دی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ"

"اور توکل کر اس زندہ پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی"۔۔۔۔(۱۰۰)

مزید فرمایا:

"وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ"

"اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے"۔۔۔۔(۱۰۱)

نصرت الٰہی اللہ پر بھروسہ کرنے والے مسلمان کے شامل حال ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنے رب پر توکل کرتا ہے سخت مصائب اور تکالیف پر بھی استقلال کی چٹان بن جاتا ہے تو پھر اللہ ہی اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔

فرمایا:

"وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ"

"اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو پھر وہی اس کے لئے کافی ہے"۔(۱۰۲)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ توکل علی اللہ سے عبارت تھی۔ مکی زندگی میں کفار و مشرکین کی عداوتوں، اذیتوں اور تکلیفوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اللہ ہی پر توکل فرمایا۔ ایک ہزار جری کفار کے سامنے تین سو تیرہ نہتے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھڑا کر دینا توکل ہی تھا۔

حضور کے وصال کے بعد جب کہ حالات نہایت مخدوش تھے۔ منافقین، مشرک قبائل اور یہودی ہر طرف سے مدینے کی اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ اس وقت خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو مدینے سے روانہ کرنا توکل علی اللہ ہی تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر حال میں اللہ ہی پر توکل کرتے رہے۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ صوفیاء نے ہمیشہ اللہ پر توکل کیا۔ ناسباعد حالات میں بھی توکل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا وہ اپنے اعمال میں کوشش اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتے اور خلوص اس قدر ہوتا ہے کہ اسباب پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ خالق اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے آگے بڑھ گئے ہوتے ہیں کہ سنت کی روح کو سمجھ کر عمل کرتے ہیں توکل کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ پر بھروسہ کر کے انسان بیٹھ جائے کہ وہی رازق ہے وہ روزی دے گا بلکہ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کو پوری تدبیر اور کوشش سے انجام دیا جائے اور نتائج اللہ کے سپرد کر دیئے جائیں۔ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا سے کھلا چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلے تم اس کو باندھو پھر توکل کرو"۔ (۱۰۳)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اِسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ"

"کوشش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوشش کرنا فرض قرار دیا ہے"

توکل سے دلیری پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ متوکل انسان یہ سمجھتا ہے کہ نفع اور نقصان تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ توکل مومن کے دل میں استغناء پیدا کرتا ہے۔ لالچ طمع اور حرص و ہوا کو دور کرتا ہے۔ اس سے دل میں طمانیت پیدا ہوتی ہے۔ ان کی دعا تو یہ ہوتی ہے۔

"رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ"

"اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا۔ اور تیری ہی طرف رجوع کر لیا اور تیری ہی طرف لوٹنے والے ہیں" (۱۰۴)

۷۔ ایثار:

ایثار سلوک کا ساتواں مقام ہے۔ اس کے بغیر مقام رضا کا حصول ناممکن ہے۔ یہ محسنین کا شعار ہے۔ اور رضائے الٰہی کے حصول کا پیش خیمہ ہے۔ قرآن و سنت میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ آپس میں احسان و ایثار کا عملی نمونہ تھے۔ ان کی زندگیاں ان اعلیٰ خوبیوں سے عبارت تھیں۔ قرآن مجید نے ان کی اس خوبی کو بڑے پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ

شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

"اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ وہ خود شدید محتاج ہوں اور جو اپنے دل کی تنگی سے بچا لیا گیا۔ (یعنی جسے وسعت قلب عطا کی گئی) تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (۱۰۵)

ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ"

"بے شک اللہ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے" (۱۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصاف یہ ہے کہ تو لا الہ الا اللہ کہے اور احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہی ہے اور تو دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

"اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

"وہ لوگ جو خوشی میں اور تکلیف میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (۱۰۷)

نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایمان والا

نہیں ہوسکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی

کے لئے وہی کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔(۱۰۸)

حضور ﷺ نے خیر خواہی، ایثار و احسان اور خدمت خلق کو ایمان کی بنیاد

بنایا۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی ان صفات حمیدہ سے عبارت ہے۔ واقعہ طائف ہی

کو لیجئے۔ پتھر کھا کر دعائیں دیں فتح مکہ کے موقع پر جانی دشمنوں کو معاف کر دیا۔

ایک کافر نے رات حضور ﷺ کے پاس پناہ لی۔ اسے مہمان رکھا۔ اس نے سیر ہو کر

دودھ پیا۔ وہ رات کو بستر خراب کر گیا۔ مولائے کائنات ﷺ خود بستر صاف کر رہے

ہیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو فرمایا۔ "بھئی

مہمان تو میرا تھا"۔

کیا صوفیاء کا یہی طریقہ نہیں ہے؟ کیا اولیائے اللہ نے اخلاق حسنہ کا

مظاہرہ نہیں کیا؟ کیا تصوف اسی بات کی تعلیم نہیں دیتا؟

ایثار کیا ہے؟ حضور ﷺ ایک بوڑھی عورت کا بوجھ اٹھائے جا رہے ہیں وہ

بوڑھی عورت حضور ﷺ کو کہتی ہے بیٹا محمد ﷺ کے پاس مت جانا۔ جو بھی اس کے

پاس جاتا ہے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیتا ہے۔ تو تو بہت ہی نیک ہے بیٹا تم نے

میرا بوجھ اٹھایا ہے میں تمہیں یہی نصیحت کرتی ہوں کہ اس کے پاس نہ جانا"۔

حضور ﷺ نے فرمایا: مائی! جس محمد ﷺ کا تو ذکر کر رہی ہے وہ میں ہی تو

ہوں۔ وہ عورت حضور ﷺ کا یہ اخلاق دیکھ کر ایمان لے آئی۔

یہی اخلاق تھا جس اخلاق کے پیکر صوفیا کرام تھے اسی اخلاق کی بدولت لاکھوں کافروں کو نور ایمان سے منور کیا۔تاریخ کے اوراق کھولیے۔پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ صوفیا کرام نہ ہوتے تو آج اسلام دنیا کے کونے کونے میں نظر نہ آتا۔یہ سب فیضان اولیاء ہے کہ ہم کلمہ گو ہیں۔یہی وہ جماعت ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نقیب ہے۔یہ ہر دور میں رہی، ہر دور میں ہے اور قیامت تک رہے گی اس پر قرآن گواہ ہے۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عمل کو دیکھا جائے جو حضور ﷺ کے زمانے کے صوفی تھے تو حیرت انگیز واقعات سامنے آتے ہیں۔قرآن حکیم شاہد ہے۔سورۃ حشر کی آیت ۹ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۴ اسی بات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ایک جنگ کے موقع پر تین زخمیوں نے پانی مانگا۔ایک کے پاس پانی کا پیالہ آیا تو دوسرے کی آواز آتی ہے "پانی" اس نے کہا پہلے اسے پلاؤ۔جب پانی پلانے والا اس کے پاس جاتا ہے اور وہ اس زخمی کے ہونٹوں سے پیالہ لگاتا ہے تو تیسرا زخمی بولتا ہے "پانی" دوسرے نے کہا پہلے اسے پلاؤ۔جب وہ تیسرے کے پاس جاتا ہے تو وہ شہید ہو چکا ہوتا ہے پانی والا دوسرے کے پاس آتا ہے تو وہ بھی حق کو پیارا ہو چکا ہوتا ہے۔جب وہ پہلے کے پاس آتا ہے تو اس کی روح بھی پرواز کر چکی ہوتی ہے۔

یہی ایثار ہے۔یہی احسان ہے۔یہی خیر خواہی ہے۔یہی تصوف کی روح

ہے۔اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اسی سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

"ایسے احسان کرنے والوں ہی سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے"

صحابہؓ نے ہجرت کی۔مکہ سے مدینہ آئے تو انصارؓ نے بے مثال ایثار کیا۔ یہاں تک کہ ایک صحابی کی دو بیویاں تھیں انہوں نے ایک کو طلاق کے بعد اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دینے کی پیشکش کی۔جائیداد تقسیم کردی۔خود بھوکے رہ کر مہمانوں کو کھانا کھلایا۔بچوں کو دلاسا دے کر سلا دیا۔

۸۔رضا:

رضا سلوک کا آٹھواں اور آخری مقام ہے۔قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ میں کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ"

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔اور جو (نفوس قدسیہ) ان کے ساتھ ہیں۔وہ کافروں پر سخت ہیں۔آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدہ کرتے اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا چاہتے ہوئے۔سجدوں کے

اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔(۱۰۹)"

جب مومنین اللہ کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔اور ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا رحمت بن کر نازل ہوتی ہے۔ اور خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ"

"بے شک اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا"(۱۱۰)

مزید فرمایا:

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

"اللہ ان پر راضی ہوا اور وہ اللہ پر راضی ہوئے۔یہی بہت بڑی کامیابی ہے"۔(۱۱۱)

مقام رضا کا حصول ولایت کی انتہا ہے۔کیونکہ اس پر کامیابی نصیب ہوتی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تسلیم ورضا کا مجموعہ تھی جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی۔

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"

"اور البتہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں گے"۔(۱۱۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی کثرت کو جب حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ تو پھر اتنی عبادت کس لیے؟ فرمایا "اے عائشہؓ! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

☆☆☆☆☆☆☆

المراجع

(۸۷) (قرآن ۸:۲۶)

(۸۸) منہاج العابدین، امام غزالی

(۸۹) (قرآن ۳۰:۲۲)

(۹۰) آئینہ تصوف، ضیاء الحسن

(۹۱) آئینہ تصوف، ضیاء الحسن

(۹۲) (قرآن ۲۳:۲۹)

(۹۳) (قرآن ۱۵:۳۵)

(۹۴) (قرآن ۲۷۴:۲)

(۹۵) کشف المحجوب

(۹۶) (۲۰۰:۳)

(۹۷) (قرآن ۱۰:۳۹)

(۹۸) (قرآن ۱۵۶:۲)

(۹۹) (قرآن ۱۵۵:۲، ۱۵۶)

(۱۰۰) (قرآن ۵۸:۲۵)

(١٠١) (قرآن ١٢٢:٣)

(١٠٢) (قرآن ٣:٦٥)

(١٠٣) (مسند امام احمد)

(١٠٤) (قرآن ٤:٦٠)

(١٠٥) (قرآن ٩:٥٩)

(١٠٦) (قرآن ١٦:٩٠)

(١٠٧) (قرآن ١٣٤:٣)

(١٠٨) (صحیح بخاری، جلد دوم، نمبر ٣١٥)

(١٠٩) (٤٩:٤٨)

(١١٠) (قرآن ١٨:٤٨)

(١١١) (قرآن ١٩٩:٦)

(١١٢) (قرآن ٥:٩٣)

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب پنجم

☆......مقاصدِ بیعت

☆......مرحلۂ اولیٰ

☆......مرحلۂ ثانیہ

☆......فوائدِ بیعت

مقاصدِ بیعت

مرحلہ اولیٰ:

ا۔ تزکیہ نفس:

تزکیہ نفس جو تصوف کی زندگی کا پہلا قدم ہے انسانی زندگی کو اپنے من کی تمام آلائشوں اور کدورتوں سے پاک کر دینے کا نام ہے گویا تصوف کا نقطہ آغاز تقاضا کرتا ہے کہ انسان کذب و دروغ گوئی سے پاک ہو جائے۔ ریا کاری و منافقت جیسے رذائل دور ہو جائیں کبر و نخوت اور غرور و تکبر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے حسد و کینہ اور بغض و عناد کا خاتمہ ہو جائے۔ دنیا کی محبت اور لالچ سے انسانی قلب پاک ہو جائے اور ان رذائل کی جگہ عجز و انکسار، خشوع و خضوع، تذلل و تواضع، نفع بخشی اور فیض رسائی، فہم و ذکاء، جود و سخا اور محبت الٰہی جیسے فضائل انسان کے قلب و باطن کو منور کر دیں اور انسان کا نفس ہر قسم کے رذائل کا انکار کر دے اور ان سے بیگانگی محسوس کرے جب انسان کا قلب و باطن پاک ہو جاتا ہے تو اس کا زاویہ نظر بدل جاتا ہے۔ (۱۱۳)

نبی اکرم ﷺ نے تزکیہ نفس کی خود وضاحت فرمائی کیونکہ فرائض نبوت میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے ساتھ ساتھ عمل تزکیہ بھی آپ ﷺ کے فرائض میں سے ہے۔ قرآن حکیم نے نفس کے باب میں تنبیہا و اطلاعاً یہ وضاحت کی کہ:

قد افلح من زکّٰها ۝ وقد خاب من دسّٰها

یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔ (۱۱۴)

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی یوں ہے کہ:

قد افلح من تزکی ۝ و ذکر اسم ربہ فصلی ۝

بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور پھر نماز پڑھتا رہا۔ (۱۱۵)

قرآن مجید خود اصلاح نفس پر زور دیتا ہے۔

ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوی

اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات کی تکمیل سے روکا پس جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔ (۱۱۶)

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مناسب طریق پر تقویت ملکوتیت کا انتظام کیا جائے تاکہ نفس انسانی خود اخلاقی حکم کی خلاف ورزی کی بجائے اخلاقی حکم کی بجا آوری پر آمادہ ہو یعنی وہ تسلیم و رضا کے زیور سے مزین و آراستہ ہو جائے۔

علماء نے نفس کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ نفس امّارہ　　۲۔ نفس لوامہ　　۳۔ نفس مطمئنہ

نفس امارہ:

نفس امارہ انسان کو برائیوں پر آمادہ کرتا ہے یہ بات قرآن پاک میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ

بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔(۱۱۷)

نفس لوامہ:

نفس لوامہ انسان کو برائی پر ملامت کرتا ہے اور نیکی کرنے پر اکساتا ہے نفس لوامہ کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح کیا گیا ہے۔

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ

اور قسم کھاتا ہوں نفس کی جو ملامت کرے برائی پر (۱۱۸)

نفس مطمئنہ:

نفس مطمئنہ نیکی کرنے پر انسان کے دل کو مطمئن کرتا ہے نفس مطمئنہ انسان کو قلب سلیم عطا کرتا ہے۔

تصوف نفس کی اصلاح و تطہیر کا اہتمام کرتا ہے اور جب نفس انسانی اصلاح پذیر ہو کر مزکی ہو جاتا ہے تو نفس لوامہ نفس مطمئنہ نفس راضیہ و مرضیہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اس مقام پر بارگاہ الٰہی سے ندا آتی ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ○

اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے

راضی ہوا اور وہ تجھ سے خوش۔(۱۱۹)

تزکیہ نفس، چہارگانہ فرائض نبوت میں شامل ہے۔

یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۝

آپ ﷺ تلاوت فرماتے ہیں ان پر اس کی (اللہ تعالیٰ کی) آیتیں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔(۱۲۰)

تزکیہ نفس کا مقصود یہ ہے کہ انسان دوسروں کو خود سے بہتر تصور کرے اگر کوئی چھوٹا ہو تو اسے اس لئے خود سے بہتر سمجھے کہ اس کی عمر کم ہے لہذا اس نے مجھ سے کم گناہ کیے ہیں اگر کوئی بڑا ہے تو اسے اس لئے بہتر سمجھے کہ یقیناً زیادتی عمر کے باعث اس کی نیکیاں مجھ سے زیادہ ہیں گویا دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننا اور اپنی ذات کے اندر موجود ہر قسم کے کبر وغرور اور خود پرستی کی نفی کر دینا تزکیہ نفس کا پہلا قدم ہے۔

جو انسان ہر وقت حصار ذات میں مقید رہتا ہے اسے غرور ونخوت اور احساس کبر غفلت میں جلا رکھتا ہے۔ تزکیہ نفس تقاضا کرتا ہے کہ اگر تجھے تصوف اور حقیقت کی راہ پر چلنا ہے تو اپنی ذات کے حصار کو توڑ کر خود پرستی کے بت کو پاش پاش کر کے تجھے اپنے غرور وکبر سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔

جو لوگ شریعت وطریقت کی راہ پر چلتے ہیں وہ اپنی راتیں عبادت و ریاضت میں گزارنے کے باوجود اس قدر منکر ہوتے ہیں کہ شاید ہماری عبادت

میں کوتاہی کے باعث یہ گناہ بن گئی ہو وہ بارگاہ ربوبیت میں عرض پرداز ہوتے ہیں کہ اے مولا! جس ڈھب سے تیری عبادت کرنا تھی اس ڈھب سے تو ہم آگاہ نہ تھے شاید تجھے ہماری ریاضت کا یہ انداز پسند بھی آیا ہے یا نہیں! یہی وجہ ہے کہ وہ عبادت کر کے بھی خود کو گنہگار تصور کرتے ہیں اور ادھر بدنصیبی و خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ محبت کی حلاوتوں سے بے بہرہ ہونے کے باوجود، اللہ سے جذباتی ربط کے فقدان کے باوجود خود کو اعلیٰ اور روح دین کے شناور گردانے کا جنون سوار ہے یہی ہوا و ہوس، غفلت و کوتاہی، خود فریبی و خود پرستی اور غرور و کبریائی کے بت ہیں جو اولاً خواہشات ہوتی ہیں ثانیاً ضروریات بن جاتی ہیں اور پھر ان کے واقع ہونے کا زعم ہو جاتا ہے انسان ہوا و ہوس کے بت اپنے اندر پالتا ہے اور ان کی پرورش کر کے انہیں اپنا معبود بنا لیتا ہے اور پھر شعوری و لاشعوری دونوں سطحوں پر اس کی جبینِ نیاز نئے نفس کے ان بتوں کے آگے جھکنے لگ جاتی ہے۔

اس نفسانی کیفیت کی طرف قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔ (۱۲۱)

جو زبان سے تو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کو اپنا رب مانتا ہوں لیکن درحقیقت وہ اللہ کو نہیں مانتا بلکہ اپنے ہوائے نفس کو عملاً اس نے خدا کے برابر لا کھڑا کیا ہے ہم میں

سے ہر شخص اپنے من کی دنیا میں جھانک کر دیکھے خدا کی ذات اسے بصیرت بخش دے، اسے اپنے احوال کی خبر ہو جائے، تو یہ دلخراش حقیقت سامنے آجائے گی کہ ہم میں سے کوئی خود کو خدا کے برابر اور کوئی خدا سے بھی بڑھ کر تصور کرتا ہے۔

تصوف کی تعلیم تو یہ ہے کہ خدا سے بڑائی یا برابری کا تصور تو درکنار خدا کے کسی بندے کو بھی اپنے سے کمتر نہ سمجھو۔

تزکیہ نفس اس وقت عمل میں آتا ہے جب نفس انسانی ہر قسم کی بالاتری کے تصور سے پاک ہو جائے اور ہوائے نفس کے جتنے بت پال رکھے ہیں ان کو پاش پاش کر دے۔ ہوائے نفس کے بتوں کے آگے جھکنے سے انکاری ہو جائے اور اپنی جبین نیاز، صوری و معنوی ہر اعتبار سے صرف رب کائنات کے سامنے خم کرے۔ (۱۳۲)

اگر نفس انسانی یہ کیفیت حاصل کرے تو تصوف کا پہلا مقصد حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ تزکیہ نفس نام ہے اس کیفیت کا جو بندے کو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنا دیتی ہے اور پھر انسان کی جبیں کسی غیر کی دہلیز پہ جھکنے کی بجائے صرف خالق حقیقی کی دہلیز پر جھکنے کا درس دیتی ہے اور وہ ذات الٰہی سے محبت کر کے اس نقطہ کمال کو پالیتا ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے کہ

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ o

میں نے اپنا منہ اسی ذات کی طرف یکسو ہو کر کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (۱۲۳)

تعلیم تصوف کے اس پہلے مقصد کی تصدیق و توثیق قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○

اور نفس کی (یعنی انسانی جان کی) قسم اور اس کی (قدرت و حکمت کی) جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کو اپنی بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری (اختیار کرنے) کی سمجھ عطا کی یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس (روح) کو خاک میں ملا دیا۔ (۱۲۴)

گویا تصوف کا تو پہلا ہی قدم انسان کو تعطل، جمود، غفلت اور تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر اس کے قلب و باطن کو روشنی و حرارت عطا کر کے اسے وہ حرکت، وہ انقلاب، وہ تازگی، وہ جوش و عمل اور قوتِ کردار عطا کرتا ہے کہ پھر تصوف کی راہ کا سالک، محبت الٰہی سے سرشار ہو کر اپنے فکر و عمل کی ضیاء باریوں سے دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔

صفائے قلب:

صفائے قلب سے مراد یہ ہے کہ قلب کو تمام غیر شرعی خواہشات اور اخلاق

ذمیمہ سے پاک رکھے یعنی دل کو رذائل سے صاف اور دور رکھنا ہے۔ اعمال قبیحہ کے ارتکاب سے قلب انسانی پر سیاہی اور ظلمت غالب آجاتی ہے اور اس طرح باطن تاریک ہو جاتا ہے۔ چونکہ تصوف کی بنیادی تعلیم باطن ہی کی اصلاح ہے اس لئے اسلام اور تصوف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تصفیہ باطن کا اہتمام کیا جائے تا کہ قلب انسانی معرفت الٰہی کے نور کا منبع اور سرچشمہ بن سکے قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کی کمائیوں نے زنگ چڑھا دیا ہے۔ (۱۲۵)

اس زنگ اور سیاہی کا سبب انسان کے وہ افعال ہوتے ہیں جو اس کی فطرت سے متصادم و مخالف ہوتے ہیں چونکہ اسلام دین فطرت ہے لہٰذا اسلام سے بھی متصادم ہوتے ہیں اولاً انسان کی شخصیت اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے گناہ کا اثر اس کے قلب و باطن کو بے قرار و مضطرب کر دیتا ہے لیکن جب ان افعال میں اصرار پیدا ہوتا ہے تو زنگ دل پر اس قدر چھا جاتا ہے کہ ضمیر مردہ ہو جاتا ہے کوئی بھی بری بات بری نہیں لگتی نتیجتاً دل طہارت کے نور سے خالی اور محبت الٰہی کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے نبی اکرم ﷺ نے ان افعال کے اثرات کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا:۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَخْطَأَ خَطِیْئَةً نُکِتَتْ فِیْ قَلْبِهٖ سَوْدَآءُ فَاِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صَقَلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ عَادَ زِیْدَ فِیْهَا حَتّٰی تَعْلُوَ قَلْبُهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰهُ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک بندہ جب غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے پس اگر وہ اس سے باز آ جائے اور توبہ واستغفار کرے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اس غلطی کا دوبارہ ارتکاب کرے تو اس سیاہی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیاہی اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے اور یہی وہ الران ہے جس کو قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ذکر فرمایا ہے خبردار بلکہ یہ ان کے اعمال ہیں جو ان کے دلوں پر غالب آ گئے۔ (۱۲۶)

گویا تصوف کا ایک مقصد، دل کو اس کی حقیقی کیفیت میں لے آنا ہے اگر دل زنگ آلود رہا تو ''فاجر'' ہے اور اگر پاک ہو گیا تو متقی ہے اور پھر ہدایت قرآنی بھی اس دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جو اثر پذیر ہے جس طرح صاف تازہ اور شیریں دودھ کو کوئی بھی صاحب دانش غلیظ، زنگ آلود اور بدبودار برتن میں نہیں ڈالتا اس طرح اللہ سبحانہ جو حکمت ودانش کا منبع وسرچشمہ ہیں کیسے ہو سکتا ہے کہ ہدایت قرآنی کے نور کو زنگ آلود دلوں میں ڈال دیں کیونکہ غلیظ برتن تو خوشبودار دودھ کو بھی متعفن

کر دے گا جس طرح بارش گندی زمین پر ہوتی ہے تو بجائے سبزہ کے بدبو اور تعفن اٹھتا ہے۔

بارش ایک ہی ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے بارش کے قطروں میں کوئی امتیاز نہیں لیکن اثر مختلف ہوتا ہے اگر زمین پاک صاف کر دی گئی ہو اس میں صحت مند بیج بو دیا جائے۔ اور پھر مسلسل رکھوالی کی جائے۔ تو بارش اس زمین سے سبزہ اگاتی ہے اور اسے تر و تازگی ملتی ہے لیکن اگر زمین کو صاف کر کے گندگی کو ختم نہ کیا گیا ہو تو جب بارش کے قطرے گرتے ہیں وہاں سے تعفن پھوٹتا ہے بیماری جنم لیتی ہے اور زمین قابل نفرت ہو جاتی ہے اگر دل کبر و نخوت، حرص و لالچ، خود پرستی، حب جاہ و منصب اور جذبہ بغض و عداوت سے متصف رہے تو وہاں قرآنی تعلیمات کی بارش سے بھی تعفن پیدا ہو جاتا ہے اس حقیقت کو ایک تمثیل کے ذریعے قرآن حکیم نے خوب بیان فرمایا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

اے محبوب ان کے سامنے اس کا حال بیان فرمایئے جسے ہم نے اپنی

آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان سے (اپنے قلبی زنگ کے باعث) بھاگ نکلا آخر کار شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ بھٹکنے والوں میں سے ہو کر رہا اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے اسے عظمتیں عطا کرتے لیکن (اس کے ضمیر نے اسے جھنجوڑا) وہ تو زمین (پستی) سے چمٹا چلا گیا اس کی مثال کتے جیسی ہے اب تم اس پر حملہ کرو تب بھی (اس کی ہوا وہوس) کی زبان لٹکی رہے گی اور اگر چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رکھے گا۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں آپ ان سے یہ قصے بیان فرماتے جائیں۔ شاید کبھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ (۱۲۷)

اگر دل کی دنیا ویران ہو تو آیات کا علم بھی انسان کو کچھ فائدہ نہیں دے پاتا اس کی ہوا وہوس اسے دنیا کے حقیر فائدوں کی خاطر آیتیں بیچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ قرآن کا جو علم اس کو عظمتیں اور رفعتیں بخش سکتا ہے۔ وہ اس کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتا ہے اور وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل ہوا وہوس کی سیاہی سے اور کبر ونخوت کے زنگ سے آلودہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان کا تزکیہ نفس ہو چکا ہے تصوف کا پہلا قدم اٹھا لیا گیا ہو۔ دل میں تصوف کا بیج بو دیا گیا ہو۔ دل متقی ہو چکا ہو تو قرآن اسے ہدایت واستقامت عطا کرتا ہے کیونکہ قرآن ھدی للمتقین ہے۔

بدنصیب قرآن سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور خوش بخت ہدایت پا جاتے ہیں اور

یہ فیصلہ قرآن ہی کا ہے کہ

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (۱۴۸)

قرآن اور قرآنی تمثیلات ایک ہی ہیں لیکن کچھ بدنصیبوں کے حصے میں صرف گمراہی آتی ہے ان کے استدلال کی بنیاد بھی قرآن ہی ہوتا ہے لیکن دلوں کی کجی ہر بات کج کر دیتی ہے۔ ان کا اپنا استدلال انہیں گمراہی کی طرف لے جاتا ہے لیکن اگر دل تقوی کے نور سے مستفیض ہو چکا ہو تو قرآن کا یہی استدلال آدمی کو ہدایت کی طرف لے جاتا ہے جب دل ہر قسم کی آلودگی سے مجلی و مصفی ہو جائے اسی وقت وہ قرآن کی نظر میں قلب کا درجہ پاتا ہے۔

اس کے بارے میں قرآن ہی کا فیصلہ ہے کہ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ سَلِيْمٌ ۝

بے شک اس (بیان) میں درس عبرت ہے اس کے لئے جس کے پاس قلب سلیم ہو۔ (۱۴۹)

اگر دل محض گوشت کے ٹکڑے کا نام ہے تو وہ ہر ایک کے پہلو میں دھڑکتا ہے لیکن قرآن اس گوشت کے ٹکڑے کو دل نہیں مانتا وہ تو اس قلب سلیم کا مطالبہ کرتا ہے جو حالت موت سے نکل کر زندگی اور تازگی پا چکا ہو اور اللہ صرف ہماری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں کی حالت اور کیفیت پر نظر رکھتا ہے۔

صفائے قلب قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم ہے اور تصوف کا دوسرا مقصد

اس تعلیم کا امتثال کیے بغیر ممکن نہیں کہ پورا ہو جائے۔قرآن کے تقاضے تعطل اور جمود کیسے ہوسکتے ہیں رہبانیت اور ترک دنیا کیسے ہوسکتا ہے؟ جب قرآن مقاصد تصوف کی تعلیم دیتے ہوئے قلب سلیم کا تقاضا کرتا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○

جس دن انسان کے نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے گا۔ (۱۳۰)

صرف قلب سلیم ہے جو قیامت کے دن کام آنے والا ہے کیونکہ قلب سلیم کو کوئی رنج اور خوف نہ ہوگا۔قلب سلیم کو مقام سلامتی اسی وقت ملتا ہے جب وہ تمام رذائل سے مجلی و مصفی ہو کر سلامتی میں آجاتا ہے۔قلب سلیم قرآن کا تقاضا ہے اور راہ تصوف کی دوسری منزل اس حقیقت کے ثابت ہو جانے کے بعد فلسفہ تصوف کو روح دین سے الگ قرار دینا صرف فہم سقیم آفت ہی ہوسکتی ہے۔کوئی سلیم العقل اور سلیم القلب انسان تصوف کو اسلام سے الگ قرار دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

قلب کے مرکز و آماجگاہ ہونے کے باب میں سورۃ النور میں ایک بڑی جامع آیت ہے جو معانی کا خزینہ ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ، اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ

تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلٰی نُورٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُورِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○

اللہ ہی آسمان وزمین کا نور ہے اس کا نور ایک ایسے طاق جیسا ہے جس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا صاف شفاف موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے اور چراغ شجر مبارکہ زیتون (کے تیل) سے روشن رہتا ہے جو شجر (زیتون) نہ مشرق کے رخ واقع ہے اور نہ مغرب کے رخ اس کا تیل (اس قدر لطیف وصاف ہے کہ معلوم ہوتا ہے) کہ اگر آگ اسے نہ بھی چھوئے تو بھی (خود بخود) بھڑک اُٹھے گا پھر ان منور فضاؤں میں عجب (نور پر نور) کا عالم ہے اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا (پورا پورا) علم ہے۔ (۱۳۱)

یہاں اللہ نے اپنے نور کی مثال مومن کے قلب سے دی ہے اگر تمثیل پر غور کیا جائے تو حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال قندیل کی سی ہے اگر انسان اس تمثیل کے حوالے سے اپنی ساخت پر غور کرے تو اس تشبیہ کی وجہ شبہ واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی سینہ چاروں طرف سے پسلیوں کے اندر گھرا ہوا ہے اوپر کی پسلیاں چھوٹی ہوتی ہیں جبکہ جوں جوں نیچے جاتے ہیں پسلیاں بڑی ہوتی چلی جاتی ہیں یہ سارا نقشہ قندیل کا ہے دل اس سینے کے اندر محض گوشت کا ٹکڑا نہیں بلکہ وہ اس قندیل کے اندر چمکتا ہوا چراغ ہے۔

المصباح فی زجاجۃ، سینہ مشکوۃ ہے اور اس میں روشن چراغ مومن کا دل ہے دل کے اوپر جھلیاں اور غلاف ہوتے ہیں یہ ایسے دبیز اور موٹے پردے نہیں کہ دل کا نور ان کے اندر دب کر رہ جائے۔

ان پردوں کی حیثیت شفاف شیشوں کی سی ہے جب دل کا چراغ جلتا ہے تو بشریت اور جسمیت کے دبیز پردوں کے باوجود یہ جھلیاں شیشے کا کام کرتی ہیں چراغ کی کرنیں ان کی چمک دمک کے واسطے سے زیادہ فیض رساں اور روشن تر ہو کر نکلتی ہیں۔ قلب مومن ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ذات باری اپنے انوار و تجلیات کا فیضان فرماتی ہے۔

اللہ سبحانہ کے انوار کا جلوہ اسی وقت دل میں ارتکاز کرتا ہے جب دل ہر قسم کے زنگ اور آلودگی سے مصفی ہو جائے اور جلائے قلب وہ اعزاز ہے جس کا انعام جلوہ الٰہی کے انوار کا دل میں نور افشاں ہو جاتا ہے یہ تصوف کا دوسرا مرحلہ ہے دل کی اہمیت آیات و احادیث میں مختلف زاویوں سے واضح کی گئی ہے۔

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَہِیَ الْقَلْبُ ۝

بے شک جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا وجود خراب ہو جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔ (۱۳۳)

گویا دل کی کیفیات انسان کے فکر و عمل اور کردار کی بنیاد ہے اگر یہ مختلف رذائل، اخلاق اور شرف انسانی کے منافی صفات سے آلودہ رہا تو یہ بگاڑ پوری شخصیت میں نمایاں ہو جائے گا۔ الغرض دل وہ بنیاد ہے جس کی کجی پوری زندگی کو ٹیڑھا کر کے رکھ دیتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ ہادی دو عالم ﷺ نے فرمایا:۔

كَفٰى بِالرَّجُلِ شَرًّا اَنْ يُّرِى النَّاسَ اِنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَقَلْبُهٗ فَاجِرٌ

کسی آدمی کے لئے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کا دل فاجر (نافرمانی کرنے والا) ہو۔ (۱۴۳)

تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے اور تجلیاتِ قلب سے پھوٹنے والے انوار اس کی شخصیت کو منور کر دیں۔

تصفیہ قلب کے حصول کے لئے تعلیم نبوی میں عملی ذرائع بھی بیان کئے گئے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَّصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ

ہر ایک چیز کے لئے صیقل ہوتی ہے اور دلوں کا صیقل (پالش) اللہ رب العزت کا ذکر ہے۔ (۱۴۴)

جب دل صیقل ہو جاتا ہے تو امراض سے پاک ہو جاتا ہے جس طرح

لوہے سے زنگ دور کرنے کے لئے اسے رگڑا جاتا ہے تا آنکہ وہ مصفی ہو کر چمکنے لگتا ہے اسی طرح ذکر الٰہی، تزکیہ و تصفیۂ قلب کا سبب ہے۔ قرآن حکیم متعدد مقامات پر صفائے قلب کی تعلیم دیتا ہے اور یہی امر راہ تصوف کا دوسرا مرحلہ ہے۔

اطاعت حق:

راہ تصوف کا تیسرا ارتقائی مرحلہ اطاعت حق کا تحقق ہے جس کے بارے میں اصولی حکم قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر وارد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ رب العزت کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (۱۳۵)

گویا اطاعت الٰہی ایمان کا تقاضا ہے۔ ایمان عقیدہ ہے تو اطاعت اس کے تقاضے پورے کرنے کی تصدیق و توثیق۔ اطاعت حق کے متحقق ہونے کے لئے اصول، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۝

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی (۱۳۶)

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اطاعت عین اطاعت الٰہی اس لئے ہے کہ یہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور ہم نے تو ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔(۱۴۷)

اطاعت الٰہی ایمان کا بنیادی تقاضا ہے اور تصوف کا مقصود اس اطاعت کو درجہ کمال تک پہنچاتا ہے اور جب یہ درجہ کمال کو پہنچ جائے تو تصوف کا تیسرا مقصد تکمیل آشنا ہوتا ہے۔ اطاعت حق کے کمال تک پہنچنے کی کیفیت یہ ہے کہ زندگی، احکام الٰہی کی اس قدر پابند ہو جائے کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کا تصور بھی کبھی حاشیہ خیال میں نہ آسکے۔

جذبہ اطاعت رگ و ریشہ میں یوں سما جائے کہ اضطراری یا اختیاری کسی بھی حالت میں اس کا قدم جادہ اطاعت سے پھسلنے نہ پائے عام آدمی سعی و کاوش سے خود کو احکام الٰہی کا پابند بناتا ہے۔ جبکہ جادہ تصوف و طریقت کے راہروں میں یہ اطاعت یوں رچ بس جاتی ہے کہ وہ کوشش کر کے اطاعت کے دائرے سے باہر کسی قول یا فعل کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے انہیں وہ نسبت و تعلق میسر آتا ہے کہ ان کا کوئی قدم بالا رادہ بھی جادہ اطاعت سے نہیں ہٹ سکتا جب کسی معاملے میں ابہام کی کیفیت ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی منشا کا علم نہیں ہوتا اہل تصوف اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے گویا اطاعت حق زندگی پر اس طرح غالب اور حاوی ہو جاتی ہے کہ اس کے خلاف قدم اٹھانا ناممکن ہو جاتا

ہے اہل تصوف کی اطاعت کی یہی کیفیت راسخ ہوتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص دور سے آپ کی خدمت میں بیعت کرنے کے لئے آیا ایک دو ماہ آپ کے پاس رہنے کے بعد بیعت کئے بغیر واپس جانے کے لئے تیار ہوا تو آپ نے دریافت کیا کہ کس غرض سے آئے تھے؟ واپس کیوں جا رہے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ بیعت کی غرض سے آیا تھا اب واپس جا رہا ہوں۔ کیونکہ میں نے اتنی مدت آپ کے پاس رہنے کے باوجود آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ حضرت بایزید نے دریافت فرمایا کیا تم نے اتنی مدت میں میری زندگی کا ایک لمحہ بھی خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی میں گزرتے دیکھا اس نے جواباً عرض کیا "نہیں" آپ نے فرمایا ہمارے پاس اس سے بڑھ کر اور کوئی کرامت نہیں۔ (۱۳۸)

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے ہاں یہ قول مشہور ہے کہ

اَلْاِ سِتِقَامَةُ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ كَرَامَةٍ

استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔

دین میں استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے اہل دل ہمیشہ اطاعت میں استقامت کے طلبگار رہتے ہیں اور اگر ان سے کرامت صادر ہو جائے تو اسے اپنا کمال تصور نہیں کرتے بلکہ اللہ کا احسان مانتے ہیں اس سلسلہ میں تخت بلقیس کا واقعہ شاہد ہے۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي
مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ
مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا
آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ
هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ
لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝

فرمایا اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت میرے سامنے لے
آئے قبل اس کے وہ فرمانبردار ہو کر میرے سامنے حاضر ہو، جنوں میں سے ایک
طاقتور (تیز طرار) جن نے کہا میں اسے حاضر کئے دیتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنی
جگہ سے اٹھیں اور میں اس (کام) کے لئے طاقتور اور امانت دار ہوں (حضرت
سلیمانؑ کے درباریوں میں سے) ایک شخص نے جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے
کہا۔ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے قبل ہی اسے حاضر کر سکتا ہوں۔ پھر جب (سلیمان
) نے اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے
تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر ادا
کرتا ہے تو اپنے ہی لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو (خود اپنا ہی نقصان کرتا
ہے) میرا پروردگار بے نیاز کرم فرمانے والا ہے۔ (۱۳۹)

حضرت سلیمان اپنے مرید کے اس کمال کو اپنی ذات یا اس کی طرف

منسوب کرنے کی بجائے فرماتے ہیں، یہ میرے رب کا فضل ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خرق عادت واقعات، اولیاء اللہ کے لئے اللہ کے فضل سے چنداں مشکل نہیں۔

ثانیاً: یہ آزمائش ہے کہ وہ استقامت کو ترجیح دیتے ہیں کہ کرامت کو

ثالثاً: وہ اس کا شکر واجب خیال کرتے ہیں اور شکر یہی ہے کہ اس کے کمال کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔

رابعاً: جو کمال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کے یہاں سے اٹھنے سے قبل لاسکتا ہوں اور پھر اس نے اس پر اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ○ (۱۴۰) (بے شک میں اس کام کے لئے طاقتور امانت دار ہوں۔) کے الفاظ کا اضافہ بھی کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ یہ کمال کی نسبت اپنی طرف کر رہا ہے اور آپ نے اس سے یہ خدمت نہ لی۔ کمال کو اپنی طرف منسوب کرنے والے بارگاہ نبوت میں شرف قبولیت نہیں پاتے۔

جب مرد مومن اطاعت حق کے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کا عمل سرمو احکام الٰہی سے انحراف نہیں کرتا اور اس انحراف کا کوئی تصور اس کے ہاں باقی نہیں رہ جاتا تو وہ مومن تصوف کے تیسرے مقصد اطاعت حق کا اپنی ذات کے اندر تحقق حاصل کر لیتا ہے۔

مرحلہ ثانیہ:

تعلیمات ومقاصد تصوف کا مرحلہ ثانیہ جن کا تعلق احوال سے ہے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ محبت الٰہی

۲۔ رضائے الٰہی

۳۔ معرفت الٰہی

۱۔محبت الٰہی:

اسلام نے انسانوں کی ہدایت اور اس ہدایت پر عمل پیرا ہو کر خلیفہ کا مقام پانے کا جو ضابطہ عنایت کیا ہے وہ قرآن حکیم ہے۔قرآن کی تعلیمات پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ تعلیمات اسلامی کی روح عشق ومحبت ہے مضمون عشق قرآن حکیم نے یوں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

ایمان والے اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔(۱۴۱)

یعنی وہ لوگ اہل ایمان ہیں اور ایمان کی حقیقی حلاوت ولذت سے بہر یاب ہیں وہ اللہ کی ذات سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اللہ سے عشق کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت اجالے کر دیتی ہے ان کی نس نس میں عشق الٰہی سرایت کر جاتا ہے پھر انہیں خواہ آتش نمرود میں ڈالو یا کوئلوں پر جھلسا دو، تپتی ریت پر تڑپا دَیا اذیتیں دے دے کر بے ہوش کر دو عالم بے خودی میں بھی ان کے لبوں سے احد

احد کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔

حب رسول ﷺ ہی حب الٰہی ہے:

پھر اس کی محبت کے سوا کسی غیر کو ان کے دل میں کوئی جگہ حاصل نہیں ہوتی ان کا دل محبت رسول ﷺ سے لبریز ہوتا ہے کیونکہ محبت رسول ﷺ ہی دراصل محبت الٰہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اللہ ہی کی محبت کا پرتو ہے۔ اس لئے یہ اللہ کی محبت سے جدا کوئی اور محبت نہیں۔ اہل حق کے دل میں کسی غیر کی محبت کا پیدا ہونا نا قابل تصور ہے اہل دل صوفیا نے مقام ولایت و قربت الٰہی کو اللہ کی محبت کے تصور سے ہی پایا ہے۔

انسان کے اندر عشق و محبت کا جو فطری جذبہ رکھا گیا ہے تصوف اسے جمال مصطفویٰ اور جلال و کمال خداوندی کی رعنائیوں کی طرف پھر دینا چاہتا ہے اگر انسان کے جذبہ محبت کو ایک مرکز مل جائے اس کی جمال تلاش نظروں کو جمال مصطفوی ﷺ کی رعنائیاں مل جائیں تو اس کے ساز قلب کے تار پھر کسی مذموم جذبہ عشق و محبت کے لئے نہیں بجیں گے۔

بلکہ تصوف کا مقصود اس کے دل سے دوسری تمام محبتوں کو جڑ سے اکھاڑ کر صرف اللہ کی محبت کا پودا اس کے دل میں اگانا ہے۔

پھر اس محبت کی کیفیتیں یہ ہوتی ہیں کہ انسان ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو جاتا ہے جیسے کہ انسانیت کے نمونہ کمال حضرت رسول اکرم ﷺ سے فرمان

الٰہی ہے کہ

وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا

سب کچھ چھوڑ کر اسی کے ہو جایئے۔ (۱۴۲)

محبت الٰہی امتحان لیتی ہے تقاضا کرتی ہے کہ اپنی محبوب ترین شخصیات اور معاملات کو اللہ کی خاطر چھوڑ دو تا کہ کسی غیر کی محبت کا تصور بھی تمہارے دل میں موجود نہ رہے اور اگر کسی گوشے میں کسی اور کی محبت کا ایک ذرہ بھی رہ گیا تو محبت ناقص رہ جائے گی کامل نہ ہو پائے گی اس لئے صاف لفظوں میں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے تقاضا کیا گیا کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۝

(اے محبوب ﷺ) فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے ماں باپ، اولاد، بھائی، بیویاں، رشتے داروں، اموال تجارت جن میں خسارے کا فکر کرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر اللہ کے حکم (عذاب) کا انتظار کرو۔ (۱۴۳)

اس تقاضا کا ایک مقصود یہ بھی ہے کہ انسان اپنے حقیقی کمال کو حاصل کرے

جو کہ ہر طرف سے قولاً و فعلاً کٹ کر صرف اس کا ہو جانے کے بغیر حاصل نہیں ہو پاتا۔

اللہ کی محبت میں غرق ہو جانے کا یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر سورہ آل عمران میں یوں ہوا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ (۱۴۴)

(لوگو) تم نیکی (میں کمال) ہرگز حاصل نہ کرسکو گے جب تک اپنی پیاری چیزوں سے کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔

یہاں "بِـر" کا ایک مفہوم محبتِ الٰہی میں کمال پانا بھی ہے اور یہ کمال اس وقت تک محال ہے جب تک اللہ کی محبت انسان کو دنیا کی ہر شے کی محبت اور چاہت سے بے نیاز نہ کردے اس امر کی تائید اور محبت خدا اور محبتِ رسول کی وحدت کی توثیق حدیث نبوی سے بھی ہوئی ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۱۴۵)

تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

گویا ایمان کامل کا تحقق اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسان عشق و محبت میں توحید کے تقاضے پورے نہ کردے اس محبت کی علامت بھی قرآن حکیم

نے بیان کر دی ہیں۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۱۴۶)

(عاشق لوگ تو وہ ہیں) شب کے راحت کدوں میں بھی ان کے پہلو بچھونوں سے جدا رہتے ہیں

دوسری جگہ پر ان احوال کی منظر کشی اس انداز میں کی گئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ ٥ (۱۴۷)

وہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے الغرض ہر حالت میں اللہ کی یاد میں مگن رہتے ہیں۔

گویا ایمان کامل کا تحقق اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسان عشق و محبت میں توحید کے تقاضے پورے نہ کرے۔

<u>رضائے الٰہی:</u>

محبت الٰہی کا نقطہ کمال یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔

رضائے الٰہی کا تحقق تصوف کا پانچواں مقصد اور تعلیم تصوف کا پانچواں مرحلہ ہے۔

یہاں اللہ کے محب کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بتقاضائے آیت قرآنی،

تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ (۱۴۸)

اے دیکھنے والے تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ کبھی رکوع اور کبھی سجود میں ہیں ہر طرح اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلبگار ہیں۔

ان کی سعی و کاوش، عبادت اور شب بیداریاں ان سب کا مقصدِ وحید

رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے ان کی عبادت کا محرک خواہش جنت نہیں ہوتی۔ وہ اس لئے گریہ وزاری نہیں کرتے کہ دوزخ سے نجات پا جائیں بلکہ وہ محبوب حقیقی کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔

ان کے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی دولت رضائے الٰہی ہے اور ان کے اس نظریے کی تائید وتوثیق خود قرآن فرماتا ہے۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۱۴۹)

اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے۔

ان کا ذکر نیم شبی، مراقبے اور سرور محض اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ رکوع وسجود کا محرک خدائی محبت، اس کے جلوؤں کا نظارہ اور اس کی رضا کی طلب ہوتی ہے۔

تصوف کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی تمام کاوشوں کو تمام توجہات اور تمام ترلمحات کو حصول رضائے الٰہی میں کھپا دو۔ خدا تمہیں جس حال میں بھی رکھے تمہارے دل میں شکوہ کا خیال تک نہیں آنا چاہیے۔ بندہ اپنی ہستی کو اس طرح سپرد رضائے الٰہی کر دے جیسے کہ مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ تصوف وطریقت کی آرزو کرنے والے جب تک مردہ کی طرح خود کو غسال کے سپرد نہ کر دیں اس وقت تک تصوف و طریقت کے معارف و رموز سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ غسال مردے کو جس سمت چاہے کر دے۔ الٹا کر دے یا سیدھا مردہ اپنے ارادہ واختیار سے دستبردار ہو گیا اب مردہ کے باب میں جو ارادہ واختیار نافذ ہوگا وہ صرف غسال کا ارادہ ہوگا۔ مردِ

مومن تصوف کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد ان کے نتیجہ وانجام کو ذات باری کی پسند و ناپسند کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر اس کا جو انجام محبوب کو منظور ہو وہی پر لطف اور مسرت انگیز ہوتا ہے۔

مقام رضا، دراصل وہ کیفیت عظمیٰ ہے جو توکل سے بھی بلند ہے، صبر سے بھی بلند ہے، اور یہ مقام تفویض سے بھی بلند ہے۔ مقام رضا یہ ہے کہ محبوب، محبّ کو جس حال میں بھی رکھے، خوش رہے۔ اسے تکلیف بھی ہو تو وہ راحت کا سامان بن جائے۔

تصوف کے سلسلہ تعلیم کا پانچواں سبق یہ ہے کہ شکوہ و شکایت کی دنیا سے نکل کر اپنے فرائض ادا کرو جدوجہد اور تگ و دو کرو لیکن انجام اللہ کے سپرد کردو یہ مقام تفویض ہے اور جب انجام سامنے آجائے تو جو بھی انجام ہو اس پر راضی ہو جائے۔ آئینہ قلب پر گرد ملال نہ پڑنے پائے یہی مقام رضا ہے اور جب کسی ذہنی و قلبی کیفیات عملاً مقام رضا پر پہنچ جائیں تو وہ تعلیمات و مقاصد تصوف کے پانچویں مرحلہ کو طے کر جاتا ہے۔

معرفت ذات الٰہی:

جب بندہ مرحلہ رضا کو طے کر لیتا ہے تو حجابات مرتفع ہونے لگتے ہیں، ذات الٰہی کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے انسانی تخلیق کی غرض وغایت ہی "معرفت رب" کو قرار دیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (۱۵۰)

اور میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں۔

یہ (معرفت ربانی) ہی وہ امتیازی خوبی ہے جس کے ذریعے عارف وغیر کے مابین تمیز ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (۱۵۱)

اور انہوں نے اللہ کی جیسے قدر کرنی چاہیے تھی نہیں کی۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ ذَهَبَ عَنْهُ خَوْفُ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَرَغْبَةُ الْاَشْيَاءِ. (۱۵۲)

جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کے دل سے مخلوق کا خوف اور اشیاء کی رغبت ختم ہو جاتی ہے۔

تصوف کا مدعا یہ ہے کہ بندہ نابینا نہ رہے بلکہ بینا ہو جائے اسے بصارت کے ساتھ بصیرت بھی عطا ہو۔

قرآن حکیم نے اس فلسفہ کو خوب بیان فرمایا ہے:۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الغٰفِلُوْنَ. (۱۵۳)

ان کے دل ہیں لیکن وہ اس سے (قرآن و حدیث میں) فکر نہیں کرتے اور ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ ان سے اخلاق محمدی کو دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے (وہ حضور ﷺ کا بیان) سنتے تک نہیں (عمل کرنا تو درکنار) یہ لوگ جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بے راہ ہیں (مقصد حیات سے ناواقف جہل میں مبتلا ہیں) یہی لوگ غافل ہیں۔

گویا ان تمام اعضاء کے صحیح و سالم ہونے کے باوجود ان کی بصارت نور بصیرت سے محروم ہے، اس کے سماعت حقیقت تک پہنچنے سے معذور ہے اور اس سے بڑھ کر یہ دل رکھتے ہیں مگر کچھ سمجھتے نہیں ان کے قلب پر انوار و تجلیات ضوفشاں نہیں ہوتے کیونکہ ان کے قلب زنگ آلود ہیں وہ تمام عقدوں کو عقل کے زور سے کھولنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت کے عقدے قلب کی کنجی سے وا ہوتے ہیں۔

آنکھیں بصیرت چاہتی ہیں، کان سماع چاہتے ہیں تو انہیں دل بینا کے بغیر یہ سب کچھ کہاں میسر آسکتا ہے؟ دل بینا حاصل ہو جانا معرفت الٰہی کا پا جانا ہے۔

جب انسان معرفت الٰہیہ پاتا ہے تو طلسمات جہاں کے حجاب مرتفع ہو جاتے ہیں۔ دل، دنیا و مافیہا سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ خلق کالعدم ہو جاتی ہے اور ہر طرف خالق ہی خالق نظر آتا ہے۔

اور بمصداق آیت قرآنی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ:۔

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِo(۱۵۴)

پس تم جس طرف رخ کرو وہیں اللہ موجود ہے۔

انسان جس سمت نظر کرتا ہے ذات الٰہی جلوہ گر نظر آتی ہے۔

☆......بیعت کے فوائد......☆

ا۔ایمان کی مضبوطی:

صوفیاء کرام میں توحید کو درس کا سب سے پہلا سبق تصور کیا جاتا ہے۔ صوفیاء کرام نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی ہے۔ صوفیا کرام کے ہاں لمبے وظائف جس میں نفی اثبات کا ورد ہوتا ہے کیے جاتے ہیں۔ صوفیا کرام نے توحید کی اہمیت کو قرآن کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُo(۱۵۵)

تمہارا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بے انتہا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سورۃ اخلاص میں آتا ہے:

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌo اَللّٰہُ الصَّمَدُo لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ o وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌo(۱۵۶)

آپ کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اُس کے اولاد نہیں اور

نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے

صوفیا کرام نے جہاں توحید کی تعلیم دی وہاں شرک کی بھی بھرپور مذمت کی

ہے

جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (۱۵۷)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۝

(۱۵۸)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور شرک سے کم درجہ کے گناہوں کو جس کے لئے چاہے بخش دے گا۔

تصوف کی بدولت اس طرح صوفیا کرام نے اپنے مریدین کو توحید کی اس طرح تعلیم دی کہ ان کا ایمان مضبوط ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر مکمل ایمان کی وجہ سے انہیں ایمان کی چاشنی نصیب ہوئی۔ اور ان کے ایمان وعقائد میں مضبوطی پیدا ہو گی۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر بادشاہ اور اس کی شاہی طاقت کا اپنے ایمان کی مضبوطی سے مقابلہ کیا اور کامیاب رہے یہ جذبہ ایمانی عوام نہیں بلکہ اراکین حکومت اور بادشاہ وقت میں بھی پیدا ہوا کہ ٹیپو سلطان بہت بڑی باطل قوت کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔

۲۔ارکان اسلام سے آگاہی:

تصوف کی بدولت جب صوفیا کرام نے اپنے مریدین کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا تو ان کو اسلام کے ارکان جن میں کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوۃ، حج جیسے بنیادی ارکان شامل ہیں آگاہی ہوئی۔صوفیاء کی معیت میں رہتے ہوئے عوام اور مریدین پاکیزہ ماحول سے متاثر ہوئے ان میں ارکان اسلام کا ظہور ہوا جن علاقوں میں صوفیاء کرام نے قیام فرمایا وہاں لوگوں میں آج تک ارکان اسلام سے آگاہی اور عملی صورت دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ نظر آتی ہے مثلاً دہلی، لاہور، ملتان، اُچ شریف۔

۳۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی محبت:

برصغیر میں سنتوں کا ظہور صوفیاء کی تعلیمات اصطلاحات کی وجہ سے ممکن ہوا مثلاً داڑھی، لباس، کھانا خوشی وغمی میں شرکت کی فضا برصغیر کے مسلمانوں میں عمومی طور پر نظر آتی ہے۔

۴۔تقویٰ کا ظہور:

تصوف کا متعلق اور مقصد تقویٰ ہے۔تقویٰ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے۔ صوفیاء کرام نے ہمیشہ پاکیزہ اور پرہیزگارانہ زندگی گزارنے کا درس دیا۔اللہ کا خوف ہمیشہ ان کے شامل حال رہتا۔

قرآن مجید میں ایسے ہی متقین کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔قرآن

مجید میں آتا ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًاo(۱۵۹)

خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بے شک کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌo(۱۶۰)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

تصوف اور تقویٰ کا چولی دامن کا ساتھ ہے تصوف کی بدولت تقویٰ میں نکھار پیدا ہوا۔ مثلاً خواجہ باقی باللہ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ جہاں بڑے صوفی تھے۔ وہاں تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر بھی فائز تھے۔

۵۔ مذہب کی تبلیغ:

اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جتنا اسلام صوفیاء کرام کے عمل اور وعظ و نصیحت سے پھیلا شاید ہی کسی دوسری تحریک یا طبقہ سے پھیلا ہو۔ جبکہ برصغیر

میں تو اسلام کا پھیلاؤ صوفیاء کرام کی محنت شاقہ سے ہوا۔ بزرگان دین نے اپنے علم، اخلاق اور وعظ و نصیحت سے مقامی لوگوں کے دل موہ لیے جس سے لاکھوں انسان ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ صوفیا کرام نے ہمیشہ مذہب کی تبلیغ کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ اور جب اپنے مریدین کو بیعت کیا تو ان کو بھی یہی نصیحت کی کہ آگے اسلام کی تبلیغ کریں اس طرح ان کی تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔

۶۔ ایمان و عمل کا جوڑ:

اہل تصوف علم کے ساتھ عملی دین پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو دین کی اصل روح قرار دیتے ہیں۔ صوفیاء کرام تقویٰ، پرہیزگاری، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بہترین عملی صورت پیش کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام علم کے ساتھ عمل کی بھی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ عمل کے بغیر علم بے کار ہے۔ اس طرح صوفیاء کرام نے ایمان و عمل کا جوڑ پیش کیا۔ بابا فرید الدین مسعود شکر گنج کا قول ہے۔ عبادت سے اسرار الٰہی منکشف ہوتے ہیں۔

۷۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کی طرف رغبت:

صوفیاء کرام نے قرآن و حدیث کی تعلیم پر بہت زور دیا۔ اس کے لئے باقاعدہ مدارس قائم کئے گئے تاکہ لوگوں کی قرآن و حدیث کی تعلیم کی طرف رغبت ہو۔ تصوف کی بدولت لوگوں کو قرآن و حدیث کی اہمیت کے بارے میں آگاہ کیا گیا

تا کہ ان کی قرآن و حدیث کی تعلیم کی طرف رغبت ہو۔ بڑے بڑے مدارس کا قیام صوفیاء کے مختلف سلسلوں کے بزرگوں کی مرہون منت ہے۔

۸۔ اخلاقیات کی تکمیل:

تصوف کی بدولت انسان کے اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور صوفیاء کرام اپنے مریدین کی اس سلسلہ میں خدمت کے ذریعے اور وعظ و نصیحت کے ذریعے تربیت فرماتے ہیں۔ تا کہ ان کے اندر خوش خلقی آپس کا تعاون و محبت اور دوسری معاشی اچھائیوں کا مزاج پیدا ہو جائے۔

صوفیاء کرام کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اخلاقیات کے بہترین نمونہ تھے اور ان کے اخلاق سے غیر مسلم اتنے متاثر ہوئے کہ اسلام لے آئے۔ مثلاً خواجہ باقی باللہ کی تواضع اور مجدد الف ثانی کی سادگی بابا فرید الدین کی مریدین سے محبت اپنی مثال آپ تھی۔

المراجع

(۱۱۳) حقیقت تصوف، ڈاکٹر طاہر القادری

(۱۱۴) سورۃ الشمس، آیت نمبر ۹، ۱۰

(۱۱۵) سورۃ الاعلیٰ، ۱۴، ۱۵

(۱۱۶) سورۃ النازعات، ۴۰، ۴۱

(۱۱۷) سورۃ یوسف، آیت نمبر ۵۳

(۱۱۸) سورۃ القیامہ ۲،

(۱۱۹) سورۃ فجر، ۲۷، ۲۸

(۱۲۰) سورۃ آل عمران، ۱۹۰

(۱۲۱) الفرقان، ۴۳

(۱۲۲) روح تصوف

(۱۲۳) الانعام، ۸۰

(۱۲۴) الشمس ۷، ۸، ۹، ۱۰

(۱۲۵) المطففین ۱۴،

(۱۲۶) جامعہ ترمذی، جلد نمبر ۲، ۱۷۱

(۱۲۷) سورۃ الاعراف، ۱۷۵، ۱۷۶

(۱۲۸) سورۃ البقرۃ ۲۰

(۱۲۹) سورۃ ق، ۳۷

(۱۳۰) سورۃ الشعراء، ۸۸، ۸۹

(۱۳۱) سورۃ النور، ۳۵

(۱۳۲) بخاری شریف، جلد اول، ۱۳۰

(۱۳۳) الروضۃ الخطیب، ۸۷

(۱۳۴) خطیب تبریزی ۹۱

(۱۳۵) النساء، ۵۹

(۱۳۶) سورۃ النساء، ۸۰

(۱۳۷) سورۃ النساء، ۶۴

(۱۳۸) تذکرۃ الاولیاء، فرید الدین عطار

(۱۳۹) سورۃ النمل، ۳۸، ۴۰

(۱۴۰) سورۃ النمل، ۳۹

(۱۴۱) سورۃ البقرۃ، ۱۶۵

(۱۴۲) المزمل، ۸

(۱۴۳) سورۃ توبہ، آیت نمبر ۲۴

(۱۴۴) آل عمران، ۹۲

(۱۴۵) بخاری، جلد ۱، نمبر ۷

(۱۴۶) سجدہ، نمبر ۱۶

(۱۴۷) سورۃ آل عمران، ۱۹۱

(۱۴۸) الفتح، ۲۹

(۱۴۹) توبہ، ۷۲

(۱۵۰) الذاریات، ۵۶

(۱۵۱) الانعام، ۹۱

(۱۵۲) رسالہ قشیریہ

(۱۵۳) الاعراف، ۱۷۹

(۱۵۴) بقرۃ، ۱۱۵

(۱۵۵) بقرۃ، ۱۲۳

(۱۵۶) سورۃ الاخلاص، ۱ تا ۴

(۱۵۷) لقمان، ۱۳

(۱۵۸) نساء، ۴۸

(۱۵۹) النساء، ۳۱

(۱۶۰) حجرات، ۱۳

باب ششم

☆......شیخ کی شرائط

☆......مرید ہونے کی شرائط

☆......تصورِ شیخ، خدمتِ شیخ

فی زمانہ پیری مریدی کا جو حال ہے وہ نا قابل بیان ہے۔ نہ پیروں میں پیروں کی سی شان نظر آتی ہے، نہ مریدوں میں مریدوں کی سی بات۔ ایک رسم ہے جو جاری ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ میں صحیح معنی میں پیر بڑی مشکل اور جدو جہد سے ہی مل سکتا ہے۔

پیر جن اوصاف کا حاصل ہونا چاہیے اگر اس معیار پر موجود زمانہ کے پیروں کو جانچا جائے تو سوائے گنے چنے اصحاب کے ایک شخص بھی اس معیار پر صحیح نہ اترے گا۔ مگر اندھیری رات میں آفتاب کی عدم موجودگی میں چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ رات میں آفتاب کہاں سے لایا جائے۔

ارادت کے یہ معنی نہیں کہ کسی جھوٹے سچے پیر سے بیعت ہو کر پیرانہ کپڑے پہن لئے اور اپنے کو شبلی اور جنید ثانی سمجھنے لگے۔ مرید حقیقت میں وہ ہے جو اپنے ارادہ اور اختیار تک کو پیر کے سپرد کرے اور پیر کو حاکم تسلیم کرے۔ اور اس کے حکم کے آگے بلا چون و چرا، سر جھکا دے حق تبارک وتعالی نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

ان لوگوں کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم نہ سمجھیں۔ اور آپ کے حکم کے آگے بلا چوں و چرا سر نہ جھکا دیں اور ان کے دل میں کسی قسم کی تنگی و گرانی محسوس نہ ہو اور وہ پورے طور پر

اپنے آپ کو آپ ﷺ کے سپرد نہ کردیں۔

صحابہ کرام کی ارادت کی شان وہی تھی جو آیت متذکرہ بالا میں مذکور ہے۔

جب صحابہ کرام، ارادت کے متذکرہ بالا پختہ رنگ میں رنگے جاچکے تو حق تعالیٰ نے دین کی تکمیل اور اتمام نعمت سے سرفرازی عطا فرمائی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج کے روز میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

صحابہ کرام معرفت وسعادت کے مرتبہ کمال کو پہنچ گئے تو دوسروں کو ان کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ یوں تمام تابعین اور تبع تابعین کی شاندار الفاظ میں تعریف کی گئی اور امت کے لئے انکے ہاتھ پر بیعت کرنا وسیلۂ سعادتِ آخرت قرار دیا گیا۔ خدا کی طرف دعوت دینے اور بلانے میں ان کی مساعی بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پاتی ہیں (اور خدا بھی ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔) اسی بنا میں طریقہ تصوف میں شیخ کا رتبہ ایک اعلیٰ اور افضل مرتبہ ہے بلکہ اس دعوت الی اللہ میں وہ پیغمبروں کی نیابت کرتا ہے۔ شیخ اپنے مرید میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع اور پیروی کے راستے پر لگا دیتا ہے اور جو صحیح طریقہ پر رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ O

اے پیارے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اور اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

شیخ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت اس طرح پیدا کر دیتا ہے کہ وہ مرید کو تزکیہ نفس کے راستے پر چلاتا ہے اور جب نفس مزکی اور پاک ہو جاتا ہے تو دل کا آئینہ جلا پاتا ہے۔ اور اس میں عظمت الٰہیہ کی تجلیات پرتو افگن ہو جاتی ہیں اور جمال توحید اس میں جلوہ فرما ہو جاتا ہے۔ چشم بصیرت کی سیاہی جلال قدیم کے انوار اور کمال ازلی کے نظارے میں معروف ہو جاتی ہے (وہ مشاہدہ حق میں مصروف ہو جاتا ہے) اور اس تزکیہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے محبت کرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا"

جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اس نے فلاح پائی۔

شیخ کیسا ہونا چاہیے؟:

حقیقی معنی میں وہی پیر ہے جو حسب ذیل شرائط کا جامع ہو۔

۱......مذہب اہلسنت والجماعت رکھتا ہو۔

۲......اس قدر علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔

۳......اس کا سلسلۂ بیعت نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہو۔

۴...... اعلانیہ طور پر گناہ کبیرہ کرنے والا نہ ہو۔

مرید اور طالب صادق کو سب سے پہلے صحیح اور درست سلسلہ کی جستجو کرنی چاہیے اس معاملہ میں آج کل بہت ہی زیادہ گڑبڑ ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ اپنی حیات میں اپنا قائم مقام یا خلیفہ، اپنے لڑکے (بیٹے) کو مقرر نہیں کرتے نہ اس بارے میں وصیت کرتے ہیں۔ وصال کے بعد تیسرے دن لوگ باپ کا خرقہ بیٹے کو پہنا کر ان کی جگہ بٹھا دیتے ہیں۔ خلقت ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگتی ہے اور وہ اپنے باپ کی جگہ بیٹھتا ہے۔ اور وہ اس بات سے قطعی ناواقف ہوتا ہے کہ بغیر اجازت والد کے بیٹے کو اپنے باپ کا خرقہ پہننا جائز بھی ہے یا نہیں؟ خرقہ پوشی کے لئے اولاً ارادت، دوم اجازت شرط ہے۔ اس طرح اکثر بزرگوں کی اولاد بغیر رخصت و اجازت، محض اولاد ہونے کے رشتہ سے لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم فلاں قطب یا غوث کے صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور ہم نے جو کچھ کیا درست کیا حالانکہ یہ فعل سراسر ضلالت اور گمراہی ہوتا ہے۔ شیخ کے لئے عالم اور عامل ہونا شرط ہے علم کے بغیر عمل دشوار ہے۔ پیر وہی شخص بن سکتا ہے جو فرائض و واجبات، سنن اور مستحبات کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرتا ہو۔ اور ایسے شخص کی ذرا سی بے احتیاطی مریدوں کی گمراہی کا باعث ہو گی۔ مرید کو سب سے پہلے ان شرطوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ جس شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا ہے اس میں یہ شرطیں ہیں یا نہیں۔ اگر موجود ہیں تو بلا شبہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ

دے دیں اگر یہ شرائط نہیں ہیں تو وہ منصب شیخ کا اہل نہیں۔ شیخ کی چار شرائط ہم ذکر کر آئے ہیں، ان کی قدرے تفصیل یوں ہے کہ:

1۔ پیر لقمہ حلال کھاتا ہو حرام اور مشتبہ لقمہ سے پرہیز کرتا ہو۔

2۔ وہ سچ بولتا ہو اس کی زبان پر کبھی غیبت اور فحش بات نہ آئی ہو۔

3۔ دنیا کا حریص نہ ہو لذت اور شہوت کا تارک ہوں۔ رجوع خلائق کی طرف اس کی رغبت نہ ہو۔ اغنیاء اور مالدار لوگوں سے میل جول کو پسند نہ کرتا ہو۔ حق تعالی کی طرف سے اس کو جو درجہ اعزاز حاصل ہو، اس پر فخر نہ کرتا ہو۔

4۔ مال جمع کر کے نہ رکھتا ہو۔

5۔ خوش خلق ہو۔ خلقت کو ایذا اور سانی سے رنجیدہ ہو اور ترش رو نہ ہوں اس لئے کہ

نہ ہر کہ مردم مردم آزار است
حق تعالی از وے بیزار است

6۔ اپنے نفس کو تکریم و تعظیم کی نسبت سے نہ دیکھتا ہو۔ خود بینی کی جگہ اس میں صدق اور خودنمائی کی جگہ اخلاص ہو۔

7۔ لوگوں کو مرید بنانے کا آرزومند نہ ہو۔

8۔ وہ مخلوق کی جفا کا متحمل ہو۔

9۔ ذنوب و معاصی (گناہوں) سے محترز (بچنے والا) ہو۔

10۔ طالبِ استقامت ہو۔ کشف و کرامات کا طالب نہ ہو۔

مرید کے حقوق جو شیخ کے ذمے ہیں:

1۔ شیخ کو چاہیے کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے جیسا کہ ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتا ہے۔

2۔ جو مرید اور طالب، رشد و ہدایت کیلئے اللہ تعالی اس کی طرف بھیجے، تو شیخ کو چاہے کہ وہ اس کے معاملے میں اللہ تعالی سے رجوع کرے اور اس کی نگرانی اور تعلیم معرفت کے سلسلہ میں خدا تعالی ہی سے مدد کا طالب ہو۔

3۔ شیخ اپنی خلوت نشینی کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کرے جبکہ اس کے پاس خلق خدا کی آمد و رفت کی گنجائش نہ رہے۔

4۔ یہ شیخ طریقت کے وظائف میں داخل ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے بلکہ اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو تعلیم و تکریم کا اس کو ملا ہے اور اس مرتبہ سے نیچے آ کر تواضع اختیار کرے۔

5۔ شیخ طریقت کو چاہیے وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے۔

6۔ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے اور صحت و مرض دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے اور اپنے مرید کی ارادت اور اخلاص پر تنقید کرتے

ہوئے ان حقوق سے دستبردار نہ ہو۔

7۔ شیخ جب مرید کے صدق عزیمت میں کمی دیکھے اور ضبط نفس کم پائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کو رخصت کی حد پر قائم رکھے کہ اسی میں خیر کثیر ہے اور جب تک مرید رخصت کی سہولت کی حدود کی عبور نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ آزاد رہتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں میں گھل مل جائے اور رخصت کے کاموں کا عادی ہو جائے۔ تب اس وقت شیخ اس کو بتدریج ہمت و عزیمت کے مقام کی طرف مہربانی اور نرمی کے ساتھ لے جائے۔

8۔ مرید کا مال اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ چونکہ مشائخ کی زندگی اللہ تعالیٰ کیلئے وقف ہوتی ہے اس لیے وہ عوام کی ہدایت خالصاً لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ پس جو کچھ شیخ مرید کی بہبود اور بھلائی کے لئے کرتا ہے اور جو کچھ اس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہوتی ہے۔

9۔ شیخ کسی مرید کی کوئی بری عادت دیکھے یا اس کی حالت کو خراب پائے یا وہ محسوس کرے کہ اس مرید میں خودنمائی یا خود بینائی پیدا ہو گئی ہے، تو کھل کر منع نہ کرے۔

10۔ شیخ مرید کے کسی ایسے کام میں جس کے کرنے کا اس کو حکم دیا گیا تھا کوتاہی پائے تو اس کو برداشت کرے اور اس کوتاہی پر اس کا قصور معاف کر دے۔ اس کے بعد نرمی اور عمل کے ساتھ اس کو اس خدمت کی انجام دہی یا تکمیل کی طرف

مائل کرے۔ (عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی)

مرید ہونے کی شرائط:

طالب راہ حق کو اس میدان میں قدم رکھنے کے بعد حسب ذیل شرائط کی پابندی لازمی ہے۔

1۔ مبتدی کے لئے سب سے پہلے مرشد اور ہادی کی جستجو ضروری ہے۔

2۔ طالب صادق، جواں مرد اور صاحب ہمت ہونا چاہیے۔ جو اپنے دل سے دنیاوی تعلقات کو منقطع کر سکے۔

3۔ تزکیہ نفس یعنی نفس کو پاک بنانا: اس کی حد نہیں جہاں تک ہو سکے کرنا چاہیے۔ اخلاق ذمیمہ، حرص، حسد، غضب، شہوت، کذب و غیبت وغیرہ سے باز رہے اور تمام محرمات و مکروہات شرعی کو چھوڑ دے۔ دنیا کی لذتوں اور تمام محسوسات و معقولات سے جدا ہو جائے۔

4۔ اپنی ریاضت و مجاہد کو شمار میں نہ لائے اور یہ سمجھے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔

5۔ خلوت اور تنہائی اختیار کرے۔

6۔ عورتوں سے دور رہے۔ صرف اپنی بیوی سے تعلق قائم رکھے۔

7۔ اکل حلال (حلال روزی) کا انتظام کرے اور جہاں تک ممکن ہو احتیاط سے کام لے غذا اتنی کھائے کہ جس سے عبادت کرنے کی قوت جسم میں بر قرار رہے۔

8۔پیر کا حکم بجالانے میں بڑی مستعدی سے کام لے۔

9۔کم سوئے اور غافل ہو کر نہ سوئے۔

10۔جب دو کام سامنے آئیں تو ان سے جو بہتر ہو اس کو اختیار کرے۔

11۔نفس کی خواہشوں پر ہرگز عمل نہ کرے۔اگر نفس کی خاطر کسی حظ نفسانی کا مرتکب ہو جائے تو پھر سخت مجاہدہ کرے۔

12۔آباواجداد اور علم و عقل پر فخر نہ کرے اپنے آپ کو سب سے بدتر اور ذلیل وخوار سمجھے۔جو ایسا کرتا ہے خدا سے بہت نزدیک ہوتا ہے۔

13۔علمی مباحثوں سے اور مناظرہ سے علیحدہ رہے۔

14۔وضو اور طہارت میں وہم نہ کرنا اور تزکیہ نفس اور خدا کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا۔

15۔اپنے لئے کوئی خاص لباس و بیت (گھر) اختیار نہ کرے۔

16۔فرصت کے اوقات میں بھی خالی نہ رہنا۔حضوری سے دل کو خالی نہ رکھنا۔طالب کو ہروقت "هَلُمَّ زِدْنِیْ" اور "هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ" کا نعرہ بلند کرنا چاہیے۔خدا تک جانے کا وہی راستہ ہے جو مرشد بتائے۔

طالب کی اقسام:

ایک طالب وہ شخص ہے جو اپنی عقل اور سمجھ سے خدا کی طلب اختیار کرے اور جان لے کہ خدا سب سے بڑا، بزرگ، قدیم اور واجب الوجود ہے۔یہ شخص

حکمت کی راہ سے طالب ہو، اپنے عشق نہیں ہے، عاشق کے اندر جو طلب ہوتی ہے وہ خدا ہی کی طرف سے اس میں ڈالی جاتی ہے۔ اگر عاشق سے دریافت کیا جائے کہ تو معشوق پر کیوں شیدا ہے تو وہ بھی جواب دے گا کہ میں نہیں جانتا۔ طالب تنگی یا کشادگی کا طلب گار نہیں ہوتا بلکہ کشادگی میں شاید اس کا وقت زیادہ ضائع ہوتا ہے۔ مگر تنگی میں بھی پریشان خاطری سے نقصان پہنچتا ہے۔

طالب کے لیے ہدایات:

اگر ارادت میں کچھ لغزش ہو جائے تو ارادت کو ترک نہ کر بیٹھے۔ امید ہے کہ اگر یہ ارادت پر قائم رہے گا۔ تو چند روز میں لغزش کا اثر جاتا رہے گا۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر، آیت:53)

(اے اللہ کے بندو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو)

اپنی خطا پر شرمندہ بھی ہو اور اس کی رحمت سے امید بھی رکھے۔ سن رسیدہ (بوڑھے) مرید کے لیے یہی کافی ہے کہ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرے اور وظائف میں مصروف رہے۔ خلوت کو اختیار کرے۔ تصور شیخ کو قائم کرے۔ اگر دل میں پیر کی محبت ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ حاصل ہو جائے گا۔ طالب اگر کسی وقت عشق مجازی میں مبتلا ہو جائے تو اس کی خلاصی کی تدبیر یہی ہے کہ معشوق کو بھی اسی راستہ پر لگائے ورنہ خیالات فاسدہ دور کرنے کے لئے سفر اختیار کرے اور جبر سے کام لے ورنہ یہ موقع طالب کے لیے خطرناک ہے۔

تصور شیخ:

علمائے ظاہر، ارباب سلوک پر معترض ہیں کہ ان میں پیر پرستی پائی جاتی ہے۔ یہ بات بے حقیقت بھی ہے اور باحقیقت بھی۔ بے حقیقت تو اس لئے کہ پیر انوار لاہوتی کا مظہر ہوتا ہے۔ تو یہ اس کی پرستش نہیں ہے بلکہ حق کی پرستش ہے۔ بات صرف اتنی ہی ہے کہ حضور قائم کرنے کے واسطے پیر کی صورت سامنے رکھی جاتی ہے۔ غائب کے تصور میں خطرات مزاحم ہوتے ہیں۔ پیر چونکہ عالم شہادت میں موجود ہوتا ہے۔ اس لیے شروع شروع میں تصور اور حضور کی مشق کے لیے شیخ کے تصور کی مشق ضروری ہے۔ تصور شیخ کی ترکیب یہ ہے کہ طالب ہر وقت اپنے آپ کو شیخ کے روبرو ان کی مجلس میں حاضر تصور کرے یا اپنے دل میں شیخ کا خیال رکھے۔ یا اپنے آپ کو ہمہ تن شیخ سمجھے۔ شیخ کا ہر وقت تصور رکھنا طالب کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ بغیر شیخ کی وساطت کے کوئی شخص منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت سلطان المحبوبین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

قسم ہے خرقۂ شیخ کی کہ قوال کی زبان سے جو غزل یا شعر میں نے سنا اس کو شیخ کی ذات پاک کے سوا کسی طرف منسوب نہیں کیا۔

طالب ہر حال میں پیر کی طرف متوجہ رہے۔ اگر پیر کی صورت میں جمال باکمال نہ ہو تو نور قدس کے ساتھ اس کا تصور کرنا چاہیے۔ تاکہ خود نور سے آراستہ ہو

جائے۔ اگر مرید اس نورانی تصور کا اثر پیر کی صورت میں ملاحظہ کرے تو امید ہے کہ عنقریب پیر کے اسرار سے مطلع ہوگا۔ اور اپنے اندر نور کا اثر دیکھے تو خوش ہونا چاہیے۔ کہ اس کو عنقریب وہ مرتبہ عطا ہونے والا ہے۔ جس سے پیر کو بھی مائدہ پہنچے گا۔ بہت سے مرید ایسے ہوئے ہیں۔ کہ دنیا میں ان سے پیروں کا نام روشن ہوا ہے۔

اقتد بصحرائے ہر یک بتماشائے

وی را کہ تو منظوری خاطر نہ رود جائے

اگر کسی ناشائستہ جگہ پیر کا تصور سامنے آجائے تو نہ اس کی طرف متوجہ ہو نہ اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے پیر کو ایک صاف شفاف آئینہ تصور کرے کہ اس پر تجلی ہو رہی ہے۔ اور یہ اس کے نظارہ میں مشغول رہے سالک کو چاہیے کہ نماز میں پیر کو دائیں یا بائیں اپنا امام تصور کرے یا سجدہ کی جگہ یا اپنے دل میں خیال کرے۔ یا حاضر سمجھے تو اور بھی اچھا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اچھی صورت و حالت میں پیر کا تصور جمانا چاہیے۔

خدمت شیخ:

مرید پر سب سے پہلے دو فرض ہوتے ہیں۔

اول: پیر کی تلاش۔ دوم: اس کے حکم کی پیروی۔

اگر مرید کی زبان سے ایک بار بھی یہ کلمہ نکل جائے کہ میں پیر کا مرید نہیں ہوں وہ اسی

وقت ارادت سے خارج ہو جائے گا۔ خدمت شیخ میں حاضری کی توفیق چونکہ شیخ کی عنایت سے ہی ہوتی ہے، اس لئے مرید کو ہر وقت اپنے پیر کی درازی عمر اور قرب خداوندی کی دعا کرنی چاہیے۔ اور اگر پیر و مرشد وصال فرما چکے ہوں تو ایصال ثواب سے ان کی روح کو خوش کرنا چاہیے۔ اور ہر وقت اپنی زبان پر پیر و مرشد کا نام رکھنا چاہیے۔ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

"اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ"

شیخ کا درجہ اپنے مریدوں میں ایسا ہی ہے جیسا نبی کا اپنی امت میں ہوتا ہے۔

عوارف المعارف میں ہے۔

تم کو جو کچھ خدا سے طلب کرنا ہے وہ شیخ سے طلب کرو اور جو اہلیت تم چاہتے ہو وہ شیخ کی صورت میں تم کو نصیب ہوگی۔

شہوت اور ہوا (ہوس) میں پھنس کر مرید برباد ہو جاتا ہے۔ مرید کو ایسے امور میں جو تقاضائے بشریت سے متعلق ہوں پیر کے اتباع کی ضرورت نہیں۔ کسی بزرگ کے کشف و کرامات کو دیکھ کر اپنے پیر سے بدعقیدہ نہ ہونا چاہیے اور اگر کسی بزرگ سے کچھ حاصل ہو تو اپنے پیر کا طفیل تصور کر لے۔ اگر مرید کسی ایسی مجلس میں حاضر ہو جہاں خضر، ابدال و اوتاد اور اس کے پیر بھی تشریف رکھتے ہوں تو مرید اپنے پیر ہی سے غرض رکھے اور کسی طرف متوجہ نہ ہو۔

مرید اپنے پیر سے جنید و بایزید کو بھی بہتر نہ جانے اگر اپنے پیر پر کسی اور

شخص کی فضیلت ظاہر و ثابت بھی ہو جائے تب بھی اپنا ہاتھ پیر کے دامن سے نہ ہٹائے۔ پیر و مرشد سے خلافت و اجازت حاصل کرنے کے بعد فوراً ہی اپنے کو شیخ تصور نہ کرے اور نہ لوگوں کو مرید کرے۔ اگر کسی کو مرید کر لے تو یہ سمجھ کر کہ یہ کام عاریتاً میرے سپرد ہے مجھ کو پیر کے فرمان کی تعمیل ضروری ہے۔ ہاں اگر پیر و مرشد اس کام سے خوش ہوں تو اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مرید اگر کسی مجلس میں حاضر ہو، تو جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے اگر لوگ اصرار کر کے صدر مقام پر بٹھائیں تو انکار پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اصرار میں ایک طرح کی خودنمائی ہے۔ مرید کو ایسی بات ہرگز اپنی زبان سے نہ نکالنی چاہیے جس سے کسی کو رنج پہنچے۔ نکتہ چینی نہ کرے اگر کسی سے دوستی ہے تو اس کا حق ادا کرے اہل دل کے معاملہ پر عمل کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب ہفتم

☆..... تجدید بیعت

☆..... مسئلۂ تعدّدِ مشائخ

☆..... آدابِ شیخ

☆..... آدابِ مریدین

تجدید بیعت اور تعدد مشائخ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ

انبیائے کرام علیہم السلام کے بیان کردہ دین کے تین بڑے اصول ہیں۔

(۱)......اصلاح العقائد: جن کو علماءِ اہلسنت والجماعت نے بیان فرمایا ہے۔

(۲)......اصلاح الاعمال: جن کو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ائمہ وفقہاءِ امت رحمہم اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

(۳)......صلاح الاخلاق: جس کا سہرہ ائمہ تصوف کے سر پر ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ تصوف کے جتنے بھی سلاسل ہیں، خلفاء، متوسلین، متعلقین و مریدین نے اسلام کی ایسی خدمت کی ہے کہ اہل اسلام کے سر فخر سے بلند ہیں۔ اسلام پر جس وقت بھی مشکل وقت آن پڑا، کبھی حضور غوثِ اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی، کبھی حضور داتا علی ہجویری، کبھی عطائے رسول فی الہند، غریب نواز معین الدین اجمیری اور کبھی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہم الرحمہ، ظلمت، بدعقیدگی اور بدعت کے طوفانوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ الحاد وزندیقیت کے ہر سیلاب کے سامنے ایسے بند باندھتے ہیں کہ جن کی قوت اور اثر صدیوں تک قائم رہتا ہے۔

موجودہ دور میں ناقص پیروں اور صوفیوں کی کمی نہیں۔ کچھ لوگ خدا کی

مخلوق کو گمراہ رہے ہیں۔ ان کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو کبھی تصوف وطریقت کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ کبھی اپنی مرضی کی شریعت بیان کرتے ہیں۔ علماء کرام کے خلاف پروپیگنڈے کرتے ہیں، بلکہ یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ نماز، روزہ اور دیگر احکام شرعیہ سے دور ہو کر ملحد اور زندیق بن کر شعبدہ بازی کو کرامت کا نام دیتے ہیں اور لوگوں کے ایمان کو تباہ کرتے ہیں۔ جب لوگ ان ناقصوں سے فیض حاصل نہ ہونے کی وجہ سے برگشتہ ہونے لگے تو انہوں نے اپنے حلقہ بیعت کو برقرار رکھنے کیلئے دوسرے شیخ کی بیعت کو مطلقاً حرام اور ناجائز قرار دے دیا۔ اور کہہ دیا کہ ایک عورت کے دو خاوند نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایک مرید کے دو پیر نہیں ہو سکتے۔ اور اپنے موقف کو مضبوط کرنے کیلئے مشائخ کرام کے وہ اقوال جو کامل ومکمل شیخ کے بارے میں تھے، خود پر محمول کر کے ان اقوال کو اپنا موید بنایا۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ ارشاد فرمایا ہے۔

لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (سورۃ کہف)

(مفہوم) اور اس کی اطاعت نہ کر جسکا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنے نفس کی خواہش کا پیرو ہوا اور اس کے اعمال وافعال حدود شرعی سے متجاوز ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا

ان میں سے گناہ گار اور کافروں کی فرمانبرداری نہ کر۔

تعدد شیخ کا مسئلہ دو صورتیں رکھتا ہے۔ جائز اور نہ جائز۔ بلکہ بعض صورتوں میں دوسرے شیخ کی بیعت کرنا لازم و واجب ہے اگر کوئی شخص ناقص پیر سے بیعت ہو اور پیر کا ناقص ہونا واضح ہو جائے تو دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے ۔ اگر شیخ کامل و مکمل ہو لیکن وفات پا جائے (اور مرید کے مقامات ابھی باقی ہوں) تو اس صورت میں بھی فوراً کسی دوسرے شیخ کی بیعت کرنا لازم ہے۔ اور اگر کسی شیخ کامل و مکمل کا مرید ہو مگر آداب طریقت اور اتباع شریعت بجالانے کے باوجود اسے فیض نہیں پہنچتا تو اس صورت میں بھی دوسرے کامل مکمل شیخ کی طرف رجوع واجب ہے۔ فیض سے مراد کمالات باطنیہ ہیں۔ مگر شیخ اول کی بے ادبی سے احتراز کرے۔ اگر شیخ کامل کا مرید ہو اور فیض و نورانیت اسے پہنچے تو شیخ کی محبت کو نہ چھوڑے۔ اور جو پیر نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی سنت کے اوپر عمل پیرا نہ ہو، وہ شیخ ناقص ہے کہ "طریقت بے شریعت حاصل نیست" (طریقت، شریعت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی)

محال است سعدی کہ راہِ صفا

تواں رفت جز بے در مصطفیٰ ﷺ

رسالت پناہ ﷺ کی اتباع کے بغیر راہِ صفا پر چلنا محال ہے۔

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید

ہرگز نخواہد بمنزل رسید

جو کوئی شخص رسولِ کریم ﷺ کی سنت سے ہٹ کر راہ اختیار کرتا ہے وہ منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، تعدد پیر کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

اس طریق میں پیری و مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے نہ کہ کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے۔ حتیٰ کہ ان کے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد جائز نہیں رکھتے اور طریقہ سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں، پیر نہیں جانتے اور آدابِ پیری کو اسکے حق میں ملحوظ نہیں رکھتے۔ یہ ان کی کمال جہالت اور نادانی کی وجہ سے ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی مشائخ نے "پیر تعلیم" اور "پیر محبت" کو بھی پیر کہا ہے۔ اور پیر کا تعدد جائز فرمایا ہے۔ بلکہ پیر اول کی زندگی کے دوران میں ہی اگر ایک طالب اپنی بھلائی کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کا انکار کیے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اس بات کے جائز ہونے میں علماءِ بخارا سے اس کا فتویٰ درست فرمایا تھا۔ ہاں اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو پھر

دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے، بلکہ جائز ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک سے میسر ہو جائیں تو بڑی نعمت ہے۔ اور جائز ہے کہ مشائخ متعددہ سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کرے۔ اور جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کی حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے، یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے۔ کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا راہنما بھی، برخلاف پیر خرقہ کے۔ پس پیر تعلیم کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہئے۔

(مکتوبات، جلد: 1، حصہ: 4 دفتر اول، مکتوب نمبر: 221)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

آپ کا ارسال کردہ خط پہنچا جس میں آپ نے پوچھا تھا کہ پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلب حق کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ جاننا چاہئے کہ مقصود حق تعالیٰ ہے (نہ کہ پیری مریدی) اور پیر حق تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اگر کوئی طالب اپنی بھلائی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں پیر کے اذن (اجازت) کے بغیر اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے۔ لیکن چاہئے کہ پیر اول کا انکار نہ

کرے اور اسے نیکی کے ساتھ ہی یاد کرے۔ بالخصوص اس وقت کی پیری مریدی جو محض ایک رسم و عادت سے بڑھ کر نہیں۔ اس وقت کے پیروں کو اپنی خبر نہیں اور ایمان و کفر کی تمیز نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ کی کیا خبر رکھتے ہونگے اور مریدوں کو کونسا راستہ دکھائیں گے۔

آگاہ از خویشتن چوں نیست جنین

کے خبر دارد از چناں و چنیں

جنین (بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ کے اندر ہوتا ہے) جب اپنے آپ سے آگاہ نہیں تو ادھر ادھر کی اسے کیا خبر ہوگی۔

ایسے مرید پر افسوس کہ جو ایسے پیر پر اعتماد کر کے بیٹھا رہے اور دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے۔ یہ شیطانی خطرات ہیں جو پیر ناقص کی زندگی کے باعث طالب کو حق تعالی سے ہٹائے رکھتے ہیں۔ جہاں جمعیت دل اور ہدایت حاصل ہو بلا توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔

(مکتوبات، جلد:2 دفتر ثانی مکتوب نمبر 63)

ان دو مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے تقریباً چھ بار تعدد شیخ کے جواز کا قول فرمایا ہے۔ اور پیر اول کو نیکی سے یاد کرنے والا قول صاحب شریعت کے ساتھ خاص ہے اور اگر پیر اول شریعت و طریقت سے دور ہو تو نیکی یاد

کرنا نہیں بلکہ اس مذمت کرنا واجب ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کا اپنا فعل بھی تعدد پیر کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے متعدد مشائخ سے متعدد سلاسل کسب کرنے کے بعد آخر میں نقشبندیہ شریف میں حضرت خواجہ خواجگان محمد باقی باللہ سے بیعت کی۔ اور اس سلسلہ میں علوم و معارف اور کمالات و حقائق حاصل کیئے۔

حضرت بدر الدین سرہندی، حضرات القدس میں فرماتے ہیں۔

آپ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد شیخ عبد الاحد سے منسوب ہیں۔ اور آپ کے والد شیخ رکن الدین سے منسوب ہیں۔ سلسلہ قادریہ میں اسی طرح ہے کہ آپ واپنے والد سے اور آپ کے والد شیخ رکن الدین اور آپ، حضرت شاہ کمال کیتھلی سے نسبت رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اذکار چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اپنے والد سے اور طریقہ کبرویہ کی تلقین حضرت یعقوب صرفی سے حاصل کی۔ بعد میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے طریقہ نقشبندیہ اخذ کیا۔ اسی صحبت مبارکہ کے سبب آپ کو کمالات ومقامات، حالات وجذبات، واردات وکیفیات، علوم ومعارف کثیرہ اور بہت سے انوار واسرار حاصل ہوئے۔ یوں آنجناب کی تربیت کی برکت اور عطائے خداوندی سے آپ نئے طریقہ سے ممتاز ہوئے اور حضرت خواجہ نے اس طریقہ جدیدہ کی تصدیق فرمائی۔ حضرت مجدد کے اس طریقہ جدیدہ میں اصطلاحات ومقامات بہت

ہیں اور ہر اصطلاح میں کیفیات وحالات اور اسرار وانوار علیحدہ اور جدا ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جو کہ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت سے آشنا ہیں، کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ مشائخ سے بیعت ہونا اور اخذ فیض کرنا جائز ہے۔ بعض نام نہاد پیر، گدی نشین اور سجادہ نشین خود نفسانی اور شیطانی وسوسوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور شریعت سے دور اور بے عمل ہیں۔ جن کا طریقت سے کوئی کام نہیں، ہدایت کے راستے سے دور ہیں۔ وہ اپنے متوسلین کو کس طرح خدا سے آگاہی حاصل کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے امام حضرت خواجہ غریب نواز عطائے رسول فی الہند معین الدین چشتی اجمیری کے متعدد مشائخ کا تذکرہ فرماتے ہوئے، حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز نے طلب خدا جل وعلا کیلئے سفر اختیار فرمایا۔ پہلے سمرقند پہنچے، وہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی تحصیل علم کے بعد آپ عراق کی طرف متوجہ ہوئے، قصبہ حارق جو کہ نیشاپوری کے نواح میں ہے پہنچے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی جو کہ اپنے وقت کے اکابر مشائخ میں سے تھے، کے حضور بیعت ہوئے۔ اور سالہا سال خواجہ کی خدمت میں رہ کر نہایت اعلیٰ خدمات بجالائے، باطنی کام کو تکمیل تک پہنچایا اور خرقہ خلافت پایا۔ اس کے بعد آپ بغداد شریف کی طرف روانہ ہوئے اور دوران راہ قصبہ سجان میں

حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ کی خدمت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے جودی پہاڑ جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد رکی تھی پر گئے اور اس جگہ حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کی خدمت سے مشرف ہوئے اور آپ کے ہمراہ جیلان اور جیلان سے بغداد پہنچے اور کچھ عرصہ آپ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ شہر بغداد میں شیخ ضیاء الدین پیر روشن ضمیر شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت سے مشرف ہوئے اور خواجہ و شیخ الشیوخ کے مابین روابط اور صحبتیں بھی واقع ہوئیں۔ اس کے بعد محبوب سبحانی خواجہ واحد الدین کرمانی کی خدمت باعظمت میں حاضر ہوئے اور "خرقہ خلافت" پایا۔ پھر ہمدان آئے اور مقبول یزدانی خواجہ یوسف ہمدانی سے باطنی استفادہ کیا۔ یہاں سے تبریز کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت ابوسعید تبریزی کی زیارت سے مشرف ہوئے جو کہ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت تھے۔ ان کی صحبت سے فوائد حاصل کئے اور اس جگہ سے آپ اصفہان رونق افزاء ہوئے اور کچھ عرصہ محبوب سبحانی شیخ محمود اصفہانی جو قطب وقت تھے، کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ وہاں سے مہنہ تشریف لے گئے اور خواجہ ابوسعید مہندی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر استرآباد پہنچے اور حضرت خواجہ ناصر الدین استرآبادی کے شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ استرآبادی، حضرت بایزید بسطامی کی اولاد سے عظیم القدر شیخ اور کامل الولایت بزرگ تھے۔ اس وقت ان کی عمر شریف ایک سو ستائیس سال تھی اور وہ شیخ

ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کی صحبت میں رہ چکے تھے۔ اس کے بعد آپ غزنی تشریف لائے اور چند دن حضرت شیخ ابوالموید نظام الدین کے پیر حضرت شمس العارفین شیخ عبدالواحد غزنوی کے ساتھ صحبت رکھی۔ ان حضرات عالی درجات کے علاوہ دیگر سینکڑوں اولیاء اللہ اور مشائخ عالی جاہ سے فیض باطنی حاصل کیا۔ اور پھر خواجہ غریب نواز ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور لاہور میں حضرت مخدوم سید علی ہجویری لاہوری کے مزارِ پر انوار پر معتکف رہے اور ۵۶۱ھ کو ماہِ محرم کی دس تاریخ کو دارالخیر اجمیر شریف میں رونق افروز ہوئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے عمل شریف سے بھی واضح ہوا کہ متعدد مشائخ سے بیعت کرنا، خلافِ طریقت بات نہیں ہے۔ حضرت پیران پیر غوث الاعظم شیخ المشائخ سید عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے بھی متعدد مشائخ اور پیروں سے اخذ فیض کیا۔ حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ، نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ایک بار چالیس روز گزر گئے کہ میں نے کچھ نہ کھایا، چالیس دن کے بعد ایک آدمی تھوڑا سا کھانا لایا اور رکھ کر چلا گیا۔ قریب تھا کہ میرا نفس شدتِ بھوک کی وجہ سے کھانے کی طرف آجاتا، میں نے کہا کہ واللہ جو عہد میں نے خدا سے کیا ہے اس کی حفاظت کروں گا۔ میں نے سنا کہ میرے باطن سے کوئی بلند آواز سے فریاد کر رہا ہے "الجوع، الجوع، الجوع" (بھوک) اچانک شیخ ابوسعید مخزومی

میرے پاس سے گزرے اور اس آواز کو سن کر فرمایا، اے عبدالقادر! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ نفس کا اضطراب و فریاد ہے لیکن روح اپنی جگہ بر قرار ہے اور مشاہدۂ خداوندی سبحانہ میں مستغرق ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو سعید مخزومی نے مجھے خرقہ پہنایا اور میں نے آپ کی صحبت کو لازم پکڑا۔ (چند سطور کے بعد علامہ جامی لکھتے ہیں کہ) شیخ حماد دباش شیخ محی الدین عبدالقادر کے جملہ مشائخ میں سے ہیں اور آپ اُمی تھے۔ آپ پر اسرار و معارف کے دروازے کھل گئے۔ اس کے علاوہ شیخ یوسف ہمدانی سے بھی آپ کی عقیدت رہی ہے۔

یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ حضور غوث الثقلین نے بھی متعدد مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی، اپنے متعدد مشائخ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) فقیر عبدالوہاب بن احمد الشعرانی نے شیخ محمد سروی اور شیخ علی المرصفی سے بیعت ہو کر ذکر حاصل کیا اور وہ دونوں شیخ محمد کے مرید ہیں۔

پھر فرماتے ہیں۔

ثم انی تلقنت علی سیدی محمد الشناوی۔

یعنی پھر میں نے سیدی حضرت شیخ محمد شناوی سے بیعت ہو کر ذکر حاصل کیا۔

آگے فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) میرا ایک اور شجرۂ طریقت بھی ہے جو سند کے لحاظ سے مذکورہ بالا شجرہ سے زیادہ قریب ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے حضرت شیخ مشائخ الاسلام زکریا انصاری سے بیعت کی اور وہ حضرت سیدی محمد الغمری سے بیعت ہیں جو شیخ محمد الزاہد کے مرید اور شیخ مرین کے رفیق ہیں۔ پس میرے اور شیخ زاہد کے درمیان صرف دو حضرات ہیں۔ اس سند کے لحاظ سے میں اور شیخ محمد سروی جو میرے شیخ حضرت محمد شناوی کے شیخ ہیں، دونوں برابر ہیں۔ لیکن مریدوں کی تربیت کی اجازت مجھے میرے شیخ حضرت شیخ شناوی نے دی۔ (الانوار القدسیہ)

آگے پھر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) مجھے ایک اور طریقہ بھی حاصل ہے وہ میں نے سیدی علی الخواص سے اخذ کیا۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی کی تحریر سے بھی متعدد مشائخ سے طلب فیض ثابت ہوتا ہے۔

شیخ کے وفات پا جانے کے بعد دوسرے شیخ سے بیعت کرنے کے متعلق ،حضرت مزید فرماتے ہیں کہ......

مرید پر واجب وضروری ہے کہ جب اس کا شیخ وفات پا جائے تو دوسرے شیخ کی بیعت کرے جو پہلے شیخ سے بڑھ کر تربیت کرنے والا ہو کیونکہ اس راستے میں (کسی حد تربیت یا مقام پر) قرار نہیں۔

علامہ رؤف احمد، ملفوظات حضرت شاہ غلام علی" در معارف" میں فرماتے

ہیں۔

آنحضرت (شاہ غلام علی) فرماتے ہیں کہ طالب کیلئے متعدد مشائخ سے
بیعت کرنا جائز ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی کریم ﷺ
کے وصال شریف کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور آپ کی
وفات کے بعد حضرت عمر بن خطاب سے بیعت کی۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کی
خلفاء راشدین کے ساتھ بیعت امور آخرت کیلئے تھی نہ کہ دنیوی امور کے لئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ طریقت میں تکرار بیعت جائز ہے۔ حضرت قاضی
ثناء اللہ پانی پتی، تعدد پیر کے بارے میں "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں۔
اگر کوئی ایک عرصہ تک حسن اعتقاد کے ساتھ شیخ کی خدمت میں رہے اور
اس کی صحبت میں کوئی تاثیر نہ پائے تو اس شیخ کو ترک کر کے دوسرے شیخ کی تلاش
کرنا اس پر واجب ہے۔ ورنہ اس کا مقصود و معبود، شیخ ٹھہرے گا نہ کہ خدا تعالیٰ، اور
یہ شرک ہے۔ حضرت عزیزان رامتینی جو کہ مشائخ نقشبندیہ میں سے ہیں فرماتے
ہیں۔ "جب تو کسی (پیر) کی صحبت اختیار کرے اور تجھے دلجمعی حاصل نہ ہو اور تجھ
سے آب و گل کی کدورتیں دور نہ ہوں، اس کی صحبت سے دور بھاگ ورنہ عزیزان کی
روح تیری اس غلطی کو معاف نہیں کرے گی۔" لیکن اس شیخ کے بارے میں حسن ظن
رکھے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ شیخ کامل و مکمل تو ہو لیکن اس کے پاس اس

شخص کا حصہ اور نصیبہ نہ ہو۔اور اسی طرح اگر پیر کامل و مکمل ہو اور وہ اس جہاں سے رحلت فرما جائے اور مرید ابھی درجہ کمال تک نہ پہنچا ہو، ایسے مرید کیلئے دوسرے (کامل و مکمل) پیر کی صحبت تلاش کرنا "واجب" ہے۔ کیونکہ مقصود پیر نہیں، اللہ رب العزت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام ﷺ نے حضور ﷺ کے وصال پاک کے بعد حضرت ابو بکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہم کی بیعت کی۔ اس بیعت کا مقصد محض دنیوی امور نہ تھے بلکہ اس کا مقصد باطنی کمالات حاصل کرنا بھی تھا۔

آدابِ شیخ:

جب کوئی شخص معرفت کو حاصل کرنا چاہے اور اس کے اندر عشق و اشتیاق (طلب معرفت) کی آگ بھڑک اٹھے اور غفلت کے پردوں کو اشتیاقِ معرفت کے ساتھ جلا دے تو اس شخص کو چاہیئے کہ گناہوں سے توبہ کرے عقیدہ اہل سنت والجماعت یعنی فرقہ ناجیہ (کامیاب گروہ) ماتریدیہ واشعریہ کو مضبوطی سے اپنا لے اور رخصت کی طرف متوجہ و مائل بھی نہ ہو، بدعت سے اجتناب کرے پھر کسی شیخ کامل و مکمل کو تلاش کرے جبکہ شیخ میں وہ صفات ہونی چاہئیں جن کو علامہ ابن حجر مکی نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ جب اعلیٰ صفات پائی جائیں گی تو ادنیٰ صفات خود بخود پائی جائیں گی۔ بیعت کرنے کے بعد بدنی، مالی، اور قلبی تمام شرائط و آداب کے

ساتھ خدمت شیخ میں مشغول ہو جائے، کیونکہ بے ادبی برکت کے زوال کا سبب بنتی ہے اور بے ادبی سے نور، ظلمت (تاریکی) اور حجاب میں تبدیل ہو جاتا ہے اور معنوی دوری ضرر میں تبدیل ہو جاتی ہے عام ازیں کہ شیخ کی طبیعت ومزاج اس بے ادبی سے متغیر ہو یا نہ ہو۔

نقل ہے کہ امام زفر وضو فرما رہے تھے کہ آپ کے قریب سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (جو کہ امام زفر کے استاذ ہیں) کا گزر ہوا لیکن دورانِ وضو امام زفر اپنے استاذ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے کھڑے نہ ہوئے اور تعظیم نہ کی جس کی وجہ سے امام زفر کی روایت مذہب میں ضعیف مانی جاتی ہے۔ حالانکہ امام زفر کا شمار امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے جلیل القدر شاگردوں میں ہوتا ہے۔

طریقت میں شیخ کے آداب:

مرید کا اپنے شیخ کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ میرا مقصود ومطلوب میرے شیخ کے ہاتھ پر ہی حاصل ہوگا اور جب کسی دوسرے شیخ کی طرف توجہ کرے گا تو اپنے شیخ سے محروم ہو جائے گا اور فیض کا دروازہ اس پر بند ہو جائے گا۔

شیخ کے تمام تصرفات پر راضی رہے اور سر تسلیم خم کرے، شیخ کی خدمت مال وبدن کے ساتھ کرے۔ کیونکہ ارادت ومحبت کا جوہر خدمت کرنے کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتا اور صداقت واخلاص کا وزن خدمت کے ترازو کے بغیر معلوم نہیں ہوتا۔

تمام امور میں (امورِ کلیہ ہوں یا جزئیہ، عبادات ہوں یا عادات) شیخ کے

اختیار ومرضی کے سامنے اپنی مرضی واختیار کو ختم کر دے۔

شیخ کے ساتھ دھوکہ بازی، مکروفریب سے دور رہے اور شیخ جن چیزوں کو ناپسند جانے خود بھی ان کو ناپسند کرے۔

وقائع (خواب، کشف وغیرہ) کی تعبیر پر اطلاع پانے کی خواہش نہ رکھے۔ اگر ان کی تعبیر اس پر ظاہر ہو بھی جائے تو اس پر اعتماد نہ رکھے اور جب مکاشفات، خواب وغیرہ شیخ کے حضور بیان کر دے تو بغیر مطالبہ کے جواب کا انتظار کرے۔ اگر کسی نے شیخ سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا تو شیخ کے حضور جواب دینے سے بچے۔

شیخ کے مجلس میں آوز پست رکھے کیونکہ اکابرین کے ہاں شیخ کے حضور با آواز بلند بات کرنا بے ادبی ہے۔ تو ضروری ہے کہ شیخ کے ساتھ سوال وجواب میں بسط کا دروازہ نہ کھولے کیونکہ اس سے مرید کے دل سے شیخ کا رعب ختم ہو جاتا ہے جو حجاب کا باعث ہوگا۔

شیخ کے ساتھ گفتگو کے وقت کو پہچانے لہذا شیخ کے ساتھ گفتگو کرتے وقت ادب خشوع وخضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف کیفیت بسط میں ہی گفتگو کرے۔ ضرورت سے زیادہ گفتگو نہ کرے اور بعد میں شیخ کے جواب کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو ورنہ کامیابی سے محروم ہو جائے گا اور جو شیخ سے محروم ہو جائے، کامیابی دوسری دفعہ اس کی طرف بہت کم لوٹتی ہے۔

شیخ جن اسرار کو پوشیدہ و مخفی رکھنا چاہتا ہو مرید بھی ان اسرار کو پوشیدہ و مخفی رکھے۔

تمام احوال، واقعات، کشفیات، کرامات جو اللہ تعالٰی نے عطا کیے ان کو شیخ سے مخفی نہ رکھے۔

لوگوں کے سامنے شیخ کی ہر بات نہ کرے۔ مگر وہ بات جو ان کے سمجھ و عقل کے مطابق ہو بیان کرے۔

جب شیخ پر عقیدہ قوی و پختہ ہو جائے تو شیخ کے حضور یہ عرض کرے کہ میں آپ کے حضور اللہ تعالٰی کی معرفت حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ جب شیخ ان کو قبول کرلے تو ان کے حضور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے بلکہ شیخ کی خدمت کرے تاکہ شیخ کی بارگاہ میں مکمل قبولیت سے ہمکنار ہو جائے۔ جب شیخ کسی چیز کی تلقین کرے تو اس میں خود کو مشغول و مصروف رکھے اور کسی وسوسہ ڈالنے والے کے وسوسہ کی پرواہ نہ کرے اگرچہ وہ وسوسہ خیر کا ہو۔

کسی کے سلام کو شیخ تک پہنچانے کا بوجھ کبھی نہ اٹھائے کیونکہ یہ بھی بے ادبی ہے جیسا کہ "آداب مریدین" میں ذکر ہے۔

مرید کی توجہ اس کی طرف ہو جس کا شیخ ارادہ رکھتا ہو۔ شیخ کی مراد کے سوا ہر چیز سے روگرداں ہو، شیخ کے اقوال و افعال، صفات بلکہ ذاتِ شیخ میں فانی ہو کیونکہ کہا گیا ہے کہ فناء فی الشیخ (شیخ کی ذات کی محبت میں فناء ہونا) فناء فی اللہ (اللہ

تعالیٰ کی ذات کی محبت میں فناء ہونے) کیلئے مقدمہ ہے (پہلا قدم ہے)

شیخ کے وضو کی جگہ وضو نہ کرے اور نہ ہی تھوکے اور نہ ہی آپ کی جگہ رینٹھ (ناک کی گندگی) صاف کرے اور نہ ہی شیخ کی موجودگی میں نوافل پڑھے اور نہ ہی شیخ کے ساتھ نوافل پڑھے۔۔

شیخ کے حکم کی بغیر توقف اور بغیر کسی تاویل کے بجا آوری کی جائے اور حکم کی تکمیل سے پہلے سکون واستراحت نہ کرے۔

چون گرفتی پیر ہن تسلیم شو　　　ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

ترجمہ:۔ جب تم نے پیر کا دامن پکڑ لیا تو پھر اس کے تابع ہو جاؤ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کہ حکم کے تابع رہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں آداب پیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کے چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے غیر کی طرف التفات نہ کرے اور اپنے آپ کو کلیۃً اس کی طرف متوجہ کر کے بیٹھے یہاں تک کہ اس کے حکم کے بغیر ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور فرض وسنت نماز کے علاوہ کوئی نماز اس کی مجلس میں ادا نہ کرے۔

ایک بادشاہ کے متعلق منقول ہے کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اتفاقاً اس دوران میں وزیر کی توجہ اپنے کپڑوں کی طرف ہو گئی اور اس نے اپنے کپڑے کے کسی بند کو اپنے ہاتھ سے درست کیا۔ اس دوران بادشاہ کی نظر اس پر پڑی دیکھا کہ وزیر اس کی طرف متوجہ نہیں تو ڈانٹ کر کہا کہ میں اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میرے سامنے اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے۔ غور کرنا چاہیے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل کے لئے باریک آداب درکار ہیں تو جو چیزیں (مرشد وغیرہ) خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ ان کے آداب کی رعایت تو بہت کامل طریقہ پر کرنی لازم ہو گی اور جہاں تک ممکن ہو ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے سائے پر پڑتا ہو اور پیر کی جانماز پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو خانہ میں وضو نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے اور اس کے سامنے پانی نہ پیے اور نہ کھانا کھائے اور نہ کسی سے بات کرے بلکہ کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہو اور پیر کی عدم موجودگی میں اس طرف پاؤں نہ کرے جس طرف پیر ہو اور نہ ہی اس طرف تھوکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے درست جانے اگر چہ بظاہر درست نظر نہ آئے۔ کیونکہ پیر جو کچھ کرتا ہے الہام اور اذن سے کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

اور اگر اس کی بعض الہامی صورتوں میں خطا بھی واقع ہو جائے تو الہامی خطا اجتہادی کی طرح ہے کہ اس پر ملامت یا اعتراض جائز نہیں ہے۔ نیز چونکہ اس مرید کو اپنے پیر کے ساتھ محبت پیدا ہو چکی ہے اسلئے محبوب سے جو کچھ صادر ہو محب کو

اچھا ہی نظر آتا ہے۔ لہذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور تمام امور میں اپنے پیر کی اقتدار کرے۔ کیا کھانے میں، کیا پینے میں اور کیا سونے میں۔ اور ہر نیک کام میں نماز کو اپنے پیر کی طرح ادا کرنا چاہے اور فقہ کو اس کے عمل سے اخذ کرنا چاہیے۔

آں را کہ درسرائے نگارست فارغ است

از باغ و بوستان وتماشائے لالہ زار

ترجمہ:۔ جس کے گھر میں معشوق ہو وہ باغ و بوستان کی سیر اور لالہ زار کے تماشے سے فارغ ہے۔

اور اس کی حرکات وسکنات میں اعتراض کو قطعا گنجائش نہ دے۔ چاہے رائی کے برابر اعتراض ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بے سعادت وہ شخص ہے جو اس گروہ اولیاء اللہ میں عیب لگائے۔

اور اپنے پیر سے خوارق وکرامات کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر چہ یہ طلب دل میں وسوسے اور خطرے کی شکل میں ہو تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا ہو۔ معجزے طلب کرنے والے کفار اور منکر لوگ ہیں۔

اگر دل میں کسی کا شبہ بھی آجائے تو بلا توقف پیر کی خدمت میں عرض کر دے اگر حل نہ ہو تو اپنی غلطی تصور کرے پیر پر کوئی عیب نہ لگائے اور جو بھی واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اس سے دریافت کرے، جو تعبیر خود طالب پر منکشف ہو وہ بھی عرض کرے اور درستی اور خطا کو اس سے تلاش کرے اور

اپنے کشفوں پر ہرگز اعتماد نہ کرے کیونکہ اس دنیا میں حق، باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور درستی خطا کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے الگ نہ ہو۔ کیونکہ اپنے لیے پیر کے غیر کو اختیار کرنا عقیدت کے منافی ہے اور اپنی آواز کو اس سے بلند نہ کرے۔ اور اونچی آواز سے اس کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے کہ بے ادبی ہے اور ظاہر و باطن میں فتوح اور کشائش حاصل ہو تو اپنے پیر کے توسط سے جانے اور واقعہ میں دیکھے کہ دوسرے مشائخ سے فیض پہنچا ہے اسے بھی اپنے پیر کی طرف سے جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ جب پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے تو پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے مناسب کہ افاضہ کی صورت اس سے ظاہر ہوتی ہے مرید تک پہنچتا ہے اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے، اس شیخ کی صورت میں قائم ہے۔ مرید کی آزمائش کے طور پر وہ لطیفہ دوسرا شیخ خیال کر لیا گیا ہے۔ اور فیض کو اس کی طرف سے جانا ہے یہ عظیم مغالطہ ہے۔ حق سبحانہ لغزش قدم سے بچائے اور پیر کے ساتھ حسن اعتقاد اور اسی محبت پر قائم کرے۔ مختصر یہ کہ طریقت تمام ادب ہے۔ مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر مرید بعض آداب کی رعایت میں اپنے آپ کو کوتاہ جانے اور ان کی مناسب ادائیگی تک نہ پہنچ سکے اور کوشش وسعی کے باوجود عہدہ برآنہ ہو سکے تو اس کے لئے معافی ہے۔ لیکن اپنی کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے اور اگر نعوذ باللہ سبحانہ آداب کی رعایت نہ کر

ے اور اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی نہ کرے تو ایسا مرید ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ہر کہ را روے بہ بہبود نہ بود

دیدن روے نبی سود نہ بود

ترجمہ: جسے اپنی بھلائی کا خود خیال نہ ہو وہ اگر نبی کے چہرے کو بھی دیکھ لے تو بے سود ہے۔

وہ مرید جو اپنے پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے اور الہام اور فراست کا راستہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور پیر بھی اسے مسلم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے تو مرید کے لیے گنجائش ہے کہ بعض الہامی امور میں اپنے پیر سے خلاف کرے اور مقتضائے الہام پر عمل کرے اگرچہ اس کے پیر کے نزدیک اس کے خلاف ہی ثابت ہو چکا ہو کیونکہ وہ مرید اس وقت حلقہ تقلید سے باہر نکل چکا ہے۔ اب اس کے لیے تقلید کرنا خطا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام نے امور اجتہادیہ اور احکام غیر منزلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کیا ہے اور بعض اوقات میں صواب جانب اصحاب میں ظاہر ہوا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کا اپنے پیر سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ بے ادبی سے مبرا اور پاک ہے بلکہ یہاں اپنے اجتہاد کے مطابق

عمل کرنا ہی ادب ہے ورنہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام جو پورے آداب سیکھ چکے تھے، حضور اکرم ﷺ کی تقلید کے سوا کچھ نہ کرتے۔

تتمہ

اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ

یعنی شیخ زندہ بھی کرسکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے۔

زندہ کرنا اور مارنا پیری کے مقام کے لوازمات میں سے ہے لیکن اس احیاء سے روحی احیاء مراد ہے نہ کہ جسمی۔ اسی طرح اماتت (مارنے) سے بھی روح کا مارنا ہے نہ کہ جسم کا اور حیاۃ اور موت سے مراد فنا اور بقا ہے جو مقام ولایت اور کمال تک پہنچاتا ہے اور شیخ مقتدا باذن اللہ سبحانہ ان دونوں کا کفیل اور ضامن ہے۔ پس شیخ میں اس کے زندہ کرنے اور مارنے کی قوت ہونا ضروری ہے اور "یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" کے معنی ہیں "یُبْقِیْ وَیُفْنِیْ" یعنی بقا عطا کرتا ہے اور فانی کرتا ہے۔ جسم کو زندہ کرنے اور مارنے کا منصب ومرتبہ شیخ سے کچھ سروکار نہیں۔ شیخ مقتدا کہربا کی طرح ہے جس کسی کو اس سے مناسبت ہوگی وہ خس وخاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا آئے گا۔ اور اپنا حصہ اس سے پائے گا۔ خوارق اور کرامات مریدوں کو کھینچنے کیلئے نہیں ہیں۔ مرید معنوی مناسبت سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور جو شخص ان بزرگوں سے مناسبت نہیں رکھتا وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم ہے اگرچہ ہزار معجزے، خوارق اور کرامات دیکھے۔ ابوجہل اور ابولہب کو اس معنی کی دلیل سمجھنا

چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور اگر یہ لوگ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑیں گے۔ منکر، یوں کہیں گے کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے بے اصل قصے کہانیاں ہیں۔

حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کامل پیر و مرشد کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنا باطنی نسبت کو خراب اور ابتر کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص میری اجازت کے بغیر نواب کی خدمت میں خربوزے لے گیا تو اس کا باطن سیاہ ہو گیا۔ وہ اس کا سبب نہیں جانتا تھا۔ گناہوں سے توبہ استغفار کرتا رہا لیکن اس کو کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس نے اقرار کیا کہ مجھ سے یہ جرم سرزد ہو گیا ہے کہ مرشد کی مرضی کے بغیر خربوزہ لے گیا تھا۔ اس سے توبہ کرتا ہوں فوراً انبساط پیدا ہو گیا اور باطنی نسبت حسب سابق ظاہر ہو گئی۔

شرائط و آداب مرید:

وہ شرائط جو (طریقت میں) مرید کے لیے ضروری ہیں۔

ا۔ شیخ کے افعال پر کبھی بھی اعتراض نہ کرے۔ جہاں تک ممکن ہو شیخ کے افعال میں تاویل کرنی چاہیے اور معاملہ اپنے قصور فہم پر محمول کرنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام کے واقعہ کی بنیاد پر محمول کرنا چاہیے، کیونکہ شیخ پر اعتراض کرنا ہر قبیح (بری چیز) سے زیادہ قبیح ہے اور اعتراض کرنے والا مغرور بھی نہیں ہوتا تو وہ حجاب جو اعتراض

سے پیدا ہوا اس کا کوئی علاج نہیں۔ اور اس پردے سے مرید پر فیض کے تمام راستے مسدود (بند) ہو جاتے ہیں۔ تو اے میرے بھائی! ایسی عاجز کر دینے والی بیماری سے اجتناب کرنا۔

۲۔ شرائط مرید میں سے ایک یہ ہے کہ جو بھی خطرہ (وسوسہ) اسے پیش آئے تو وہ اپنے شیخ کے حضور بیان کر دے تا کہ وہ اس کا علاج کرے کیونکہ شیخ طبیب کی طرح ہے جب بھی اسکو مرید کے احوال پر اطلاع ہو جائے تو اس کو درست کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور مرید کی بیماری کو دور کرتا ہے، اور شیخ کے کشف پر اکتفا نہ کیا جائے (کہ مجھے اپنے وسوسے و احوال باطنی بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے شیخ پر میرے احوال ظاہر اور منکشف ہیں) کیونکہ کشف کبھی درست ثابت ہوتا ہے اور کبھی خطا ثابت ہو جاتی ہے (کبھی کشف سے جو چیز ظاہر و منکشف ہو جاتی ہے در حقیقت وہ ویسے نہیں ہوتی اس کو خطاء کشفی کہتے ہیں) اور خطائے کشفی خطائے اجتہادی کی طرح ہے۔ اولیاء کرام کے نزدیک

کشف اگر درست بھی ہو تو جب تک ظاہر اس کے موافق نہ ہو اس وقت تک اس پر حکم مبنی نہیں ہوتا اس بات کو یاد رکھ کیونکہ یہ بہت عمدہ و نفیس بات ہے۔

۳۔ شرائط مرید میں سے یہ ہے کہ مرید طلب معرفت میں صادق (سچا) ہو تنگی کی وجہ سے طلب معرفت چھوڑنا نہیں چاہیے اور سلامتی و تکالیف کی وجہ سے فتور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے شیخ کے ساتھ فرط محبت، جان، مال، اولاد سے بھی زیادہ ہونی چاہیے اور یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ مقصود (قرب الٰہی) مجھے شیخ کے واسطے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ مرید کے آداب میں سے یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کے ان افعال کے علاوہ جن کا وہ حکم دے، تمام افعال عادیہ میں شیخ کی پیروی نہ کرے کیونکہ بسا اوقات شیخ بعض افعال اپنے مقام و حال کے مطابق کرتا ہے اور وہ افعال مرید کے لیے زہر قاتل ہوتے ہیں۔

۵۔ شرائط مرید میں سے ہے کہ شیخ جس ذکر یا مراقبہ کی تلقین کرے اس پر مکمل طور پر عمل پیرا رہے اور دیگر تمام اوراد و وظائف کو ترک کر دے کیونکہ شیخ کی فراست، اس بات کا تقاضا کرتی ہے (کہ شیخ کے بتائے ہوئے ذکر کے علاوہ دیگر تمام وظائف ترک کر دیے جائیں) اور شیخ کی فراست خدا تعالیٰ کے نور سے ہے۔

۶۔ شرائط میں سے یہ ہے کہ مرید خود کو تمام مخلوق میں سے سب سے کمتر اور حقیر سمجھے اور اپنے بارے کسی پر بھی اپنا حق نہ سمجھے اور دوسروں کے حقوق کو پورے

طور پر ادا کرے اور مقصود کے علاوہ تمام چیزوں سے قطع تعلق رہے۔

۷۔ شرائط میں سے یہ ہے کہ شیخ کا حکم اور تعظیم انتہائی درست و احسن طریقے سے بجالائے اور شیخ کے حکم و تعظیم میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے اور بتائے ہوئے ذکر کے ساتھ اپنے دل کو آباد رکھے، غفلت و بدگمانی سے خود کو دور رکھے۔

۸۔ شرائط میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات کے علاوہ دنیا و آخرت میں سے کوئی چیز مقصود کی حد تک نہیں ہونی چاہیے (مقصود صرف اللہ تعالی اور رضائے خدا ہو بس) حتی کہ حال۔ مقام (مقام ولایت) فناء و بقا کو بھی مقصود نہیں بنانا چاہیے، ورنہ وہ مرید (جو ان چیزوں کو مقصود سمجھتا ہے) اپنے نفس کے کمال کا طالب ہوگا تو ضروری ہے کہ مرید شیخ کے حضور ایسے ہو جیسے میت غسل دینے والے کے سامنے ہوتی ہے۔

۹۔ شیخ کی بات کو کبھی بھی رد نہ کرے، اگرچہ مرید حق بجانب ہی کیوں نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ شیخ کی خطا بھی میری درستگی سے قوی اور بہت بہتر ہے۔

۱۰۔ اس بات کی طرف اشارہ نہ کرے جس بارے شیخ نے پوچھا نہ ہو۔

۱۱۔ شیخ اور شیخ کے خلفاء و مریدین میں سے ہر اس مرید کا حکم تسلیم کر لینا چاہیے جو شیخ کا منظور نظر ہو۔

مرید کبھی بھی کسی پر غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ذکر کے نور کو ختم کر دیتا ہے اور آداب میں سے ہے کہ طلبہ (دینی طلبہ مراد ہیں) کے ساتھ مناظرہ، مباحثہ اور جنگ

وجدل ترک کر دے کیونکہ مناظرہ نسیان (بھول جانے کی بیماری) اور کدورت کو پیدا کر دیتا ہے۔ جب بھی کسی کے ساتھ بحث مباحثہ ہو جائے اگر چہ خود حق بجانب ہی ہو، اس سے معذرت کرے اور استغفار وتوبہ کرے اور کسی کو بھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ ہر ایک کے بارے میں یہ گمان کرے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام یا اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہے اور اس سے دعا طلب کرے۔

شیخ عارف محقق تاج الدین ہندی حنفی نقشبندی، تاجۃ الکبریٰ میں رقمطراز ہیں کہ جاننا چاہیے کہ شیخ کے بعض حقوق کی بجا آوری تب ہی ممکن ہے کہ حسن ادب کی رعایت کی جائے اور مشائخ طریقت کی تعظیم شیخ کے بڑے حقوق میں سے ہے اور حسن ادب کی رعایت کرنا عین نقصان وتقصیر ہے کیونکہ مرید شیخ کی معنوی اولاد ہوتے ہیں۔ انتہی

میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کہ اہل محبت الہیہ کے نزدیک ظاہری ماں باپ کے رشتے سے یہ (باطنی) رشتہ بہتر واعلیٰ ہے کیونکہ باطنی رشتہ وہ رشتہ ہے جس نے حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی، صہیب رومی رضی اللہ عنہم کو اہل بیت میں سے قرار دیا۔ جس رشتہ سے ابو طالب دور ہوئے اور محروم ہو گئے۔ ظاہری نسبت نے انکو کوئی فائدہ نہ دیا حالانکہ ابو طالب ظاہری رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب تھے اسی لیے اس عظیم رشتہ کی طرف سلطان العاشقین شیخ شرف الدین عمر بن فارض قدس سرہ نے اپنے شعر میں اشارہ فرمایا۔

نَسَبٌ اَقْرَبُ فِیْ شَرْعِ الْهَوٰی   بَیْنَنَا مِنْ نَسَبٍ مِنْ اَبَوَیْ

شریعت کا رشتہ ہمارے ہاں ظاہری ماں باپ کے رشتہ سے زیادہ قریب وافضل ہے

☆☆☆☆☆☆☆

کتابیات

۱۔ آئینہ تصوف
۲۔ ابیات باہو
۳۔ البریر
۴۔ القرآن
۵۔ الرسالۃ القشیریہ
۶۔ القول الجمیل
۷۔ انوار قدسیہ
۸۔ المنقذ من الضلال
۹۔ بخاری شریف
۱۰۔ بہجۃ الاسرار
۱۱۔ بیعت وخلافت
۱۲۔ بیعت کی تشکیل اور تربیت
۱۳۔ تبیان القرآن
۱۴۔ تذکرۃ الاولیاء
۱۵۔ تفسیر مظہری
۱۶۔ جامع ترمذی
۱۷۔ حقیقت تصوف
۱۸۔ ذکر خیر
۱۹۔ روح البیان
۲۰۔ روح تصوف
۲۱۔ روحانیت اسلام
۲۲۔ سرِّ دلبراں
۲۳۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۴۔ سیف الملوک
۲۵۔ شریعت وطریقت
۲۶۔ ضرورت شیخ
۲۷۔ ضیاء القرآن
۲۸۔ ضیاء النبیؐ
۲۹۔ عوارف المعارف
۳۰۔ غنیۃ الطالبین
۳۱۔ فتاوی رضویہ
۳۲۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت

۳۳۔ کشف المحجوب
۳۴۔ کلیاتِ اقبال
۳۵۔ مثنوی شریف
۳۶۔ مشکوٰۃ شریف
۳۷۔ مکتوباتِ امام ربانی
۳۸۔ مسلم شریف
۳۹۔ منہاج العابدین
۴۰۔ ہشت بہشت
۴۱۔ ہفت مسئلہ

☆☆☆☆☆☆

بہار اسلام پبلیکیشنز کے خاص تحفے

ناشر

بہار اسلام پبلی کیشنز لاہور

Ph:042-36844786 Cell:0333-4330760

بہار اسلام پبلیکیشنز
کے خاص تحفے